الله
رسول
محمد

امام نعت گویاں

تصنیف:

حضرت علامہ
سیّد محمد مرغوب صاحب

یہ ثابت کردیا مقبولؔ اختر نے دلائل سے
امام اہلسنّت ہی امام نعت گویاں ہیں

"سلسلہ تصنیف و تالیف بزم شعر و ادب لطیف آباد"

امامِ نعت گویاں

فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کے نعتیہ کلام کی فنّی خوبیوں پر مشتمل مقالہ

مصنفہ

مولانا سید محمد مرغوب اختر الحامدی الرضوی مدظلہٗ
لطیف آباد ۱۱ حیدرآباد (سندھ)
(صدر بزم شعر و ادب لطیف آباد)

شائع کردہ

مکتبۂ فریدیہ
جناح روڈ ——— ساہیوال

سلسلہ کتب 241

نام کتاب: ....امام نعت گویاں

سن اشاعت: ....ربیع الاول ۱۴۲۷ھ / اپریل ۲۰۰۶

ناشر: ....رضا اکیڈمی، لاہور، پاکستان

مطبع: ....احمد سجاد آرٹ پریس موہنی روڈ لاہور۔

ہدیہ: ....دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی

شکریہ تعاون: ....مکتبہ فریدیہ ساہیوال، پاکستان۔

....

اشاعت اول

نوٹ

بیرونی حضرات بیس روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے

طلب فرمائیں

اکاؤنٹ نمبر: 938/38 حبیب بینک برانچ وسن پورہ لاہور

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)

محبوب روڈ۔ رضا چوک۔ مسجد رضا۔ چاہ میراں فون: 7650440

آئینہ

نشانِ منزل

اعترافِ عظمت

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بعد ''مجدد بریلوی'' اعلیٰ مولانا شاہ احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ کو جو اس کلمہ ''مجدد'' سے شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ اظہر من الشمس ہے آپ پچاس سے زائد علوم و فنون کے ماہر تھے۔ ہر علم و فن آپ پر نازاں ہے آج تو ان فنون و علوم میں ایسے بھی ہیں جن کا صرف کتابوں میں نام ہی رہ گیا ہے ان کے جاننے اور تعلق رکھنے والے اسی طرح مرحوم ہو گئے جیسے وہ علم خود، ذیل میں آپ کے علمی و روحانی کمالات سے صرف نظر کرتے ہوئے چند شعرائے کرام کے منتخب اشعار پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جنہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حضور نذرانۂ عقیدت و محبت سے آپ کی عظمت کو مزید اجاگر کرنے کی سعی جمیلہ فرمائی۔

آج سے (1427ھ 2006ء) تقریباً 30 تیس سال قبل حضرت علامہ سید محمد مرغوب صاحب اختر الحامدی علیہ الرحمۃ نے کتاب امام نعت گویاں تصنیف فرما کر کلام اعلیٰ حضرتؒ پر نہایت عمدگی سے روشنی ڈالی عرصہ سے کتاب نایابی کے عمیق سمندر میں چھپ چکی تھی جسے مرکزی رضا اکیڈمی لاہور نے ڈھونڈ نکالا اور بلا قطع و برید بعینہٖ اصلی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر کر دی، البتہ چند مناقبی اشعار شامل کر کے اس کے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جسے قارئین کرام یقیناً پسند فرمائیں گے۔ وھو ھذا:۔

o ہر طرف نہریں ہیں جاری آپ کے فیضان کی
قلزم عرفان وحکمت حضرت احمد رضا
آپ ٹھہرے اک امام نعت گویان رسول
میر بزم فن مدحت حضرت احمد رضا

(حضرت عزیز حاصل پوری علیہ الرحمۃ)

o موجزن جن کی نعتوں میں عشق نبی
جن سے ہر قلب مسلم میں ہے روشنی
زندگی جن کی تھی مدحت مصطفیٰ
ہاں وہی شاہ احمد رضا خان رضا

(سید یزدانی جالندھری)

o اعلیٰ حضرت آپ کی ہستی تھی انعام خدا
آپ سے واضح ہوا عشق نبی کا مدعا
تم وفا کی ابتدا تھے تم وفا کی انتہا
سیدی احمد رضا، یا سیدی احمد رضا

(حافظ بصیر پوری)

o کھڑکیاں آنکھوں کی اور جب دل کا دروازہ کھلا
تب نظر آئی مجھے کیا شان ہے شان رضا
غیر نظروں سے کوئی دیکھے انہیں کس کی مجال
میرے آقا میرے مولا ہیں نگہبان رضا

لطف آ جائے محبت کا صلہ اشرف ملے

حشر میں مجھ کو کہیں سب لوگ دربان رضا

(سید قمر اشرف)

o زندہ باد اے شاعر بزم رسالت زندہ باد

زندہ باد اے تاجدار اہل سنت زندہ باد

(قمر یزدانی)

o لاریب تجھے رومی و جامی سے ملا سوز

حسان نے بخشے تجھے افکار کے گوہر

تو نغمہ گو انجمن مصطفوی ہے

دیوان ترا آئینہ نعت پیمبر

(منیر قصوری)

o خدا کی حمد ہے جس کا وظیفہ

نبی کے ذکر سے رطب اللسان ہے

کتابوں پہ کتابیں جس نے لکھیں

جو تحریروں کا بحر بے کراں ہے

(وحید خیال)

o میرے مخدوم احمد رضا خان، محسن اہل سنت کی کیا بات ہے

واصفان پیمبر تو ہیں اور بھی عظمت اعلیٰ حضرت کی کیا بات ہے

نعت گوئی کو ایسی دکھائی ہے راہ جس کسی نے سنا بول اٹھا واہ واہ

وہ حقیقت میں ملک سخن کے ہیں شاہ سچ ہے، اس میں حیرت کی کیا بات ہے

(محمد علی ظہوری قصوری علیہ رحمۃ)

o مجھے بھی اقتداء حاصل ہے ان کی نعت گوئی میں

ظہوری درحقیقت وہ امام نعت گویاں ہیں

(جناب محمد علی ظہوری قصوری علیہ رحمتہ)

o یا الٰہی حشر تک سنتا رہوں

نعت حضرت ﷺ، مدحت احمد رضا

(تابش قصوری)

o کی جنہوں نے بھی ذرا تنقیص شان مصطفیٰ

کر کے رد اس کا بیان، ان کو پشیماں کر گئے

کوئی رخ چھوڑا نہ توصیف رسول اللہ کا

شان آقا کی وہ ہر رخ میں نمایاں کر گئے

دیکھتا ہی رہ گیا انور زمانہ ان کا منہ

کام جو کرنا تھا وہ احمد رضا خان کر گئے

(انور فیروز پوری)

o بقا ہے اس کی نعتوں کو، ابھی ہے دم قدم اس کا

خمِ نعت نبی سے ہے، عبارت کیف وکم اس کا

(ارم حسانی)

o عاشق محبوب یزداں زندہ باد...... حضرت احمد رضا خان زندہ باد

محمد منشا تابش قصوری

کشتیِ شعر و سخن کے ناخدا ، بزم الفت کے سخنداں زندہ باد

(راجہ سرور پسروری)

o صاحب عرفان شاہ احمد رضا ، وقت کے حسان شاہ احمد رضا

نعت میں سوز و گداز و جذب و شوق، عشق کی پہچان شاہ احمد رضا

(سید یزدانی جالندھری)

o جس نے استعمار امکاں کو ہراساں کر دیا

نقص جوئے مصطفیٰ کو جس نے عریاں کر دیا

گروہوں کو آشنائے ذوق ایماں کر دیا

نعت کے نغمات کو وقف رگ جاں کر دیا

آ ذرا مجھ کو بتا تو اے بریلی کی زمین

ایسا ایک مرد محبت اور دیکھا ہے کہیں

(جناب شبیر احمد ہاشمی)

کاروان اہل سنت کو کیا منزل شناس، سنیوں کے رہنما احمد رضا خان قادری

آج ہے تابش قصوری منقبت خوان رضا، قلب و جاں کا مدعا احمد رضا خاں قادری

(تابش قصوری)

دعا ہے اللہ تعالیٰ مرکزی رضا اکیڈمی لاہور پاکستان

کی خدمت اشاعت قبول فرمائے آمین

محمد منشا تابش قصوری

۱۵ صفر المظفر ۱۴۲۷

16 مارچ ۲۰۰۶ (جمعرات)

عرض ناشر

بفضلہ تعالیٰ وکرم حبیبہ علیہ التحیۃ والثنا ۔ مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال تھوڑے ہی عرصہ میں متعدد علمی وادبی مفید کتب شائع کر چکا ہے۔ یہ مکتبہ اگرچہ نیا ہے، مگر اسکی شہرت اور اسکی گرانقدر مطبوعات کی مقبولیت نے حیرت انگیز حد تک اپنا ایک مقام پیدا کرلیا ہے۔ در اصل یہ رب کریم جل وعلیٰ کا فضل، کائنات کے شاہنشاہ علیہ التحیۃ والثنا کا کرم بے پایاں وبیکراں، اور حضرات علمائے باحترام کا فیض قلم، اُدبائے کرام کی کاوشات اور تشنگان علم کا تعاون ہے جن کی بدولت یہ مکتبہ نشر واشاعت کے سفر میں اپنے ساتھیوں کے دوش بدوش چلنے کے قابل ہو سکا ہے۔

گذشتہ چند برسوں میں اس مکتبہ نے جس حسن تزئین سے کتابیں شائع کی ہیں۔ اُن کی نفاست کتابت وطباعت نے کس کو متأثر نہیں کیا؟ پھر اس پر مستزاد اس کے متنوع مضامین مثلاً غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی مدظلہ العالی کی میلاد النبی ؐ، الحق المبین، حیات النبی، التبشیر، کتاب التراویح، تسبیح الرحمٰن ۔ ملک التحریر علامہ ارشد القادری کی کتاب "زلزلہ"، محمد رسول اللہ قرآن میں، منکرین رسالت کے گروہ، مظہر اعلیٰحضرت علامہ حشمت علی خاں صاحب کی "الصوارم الہندیہ" علامہ عبد الحکیم صاحب فرنگی محلی کی شہرۂ آفاق کتاب نور الایمان کا اُردو ترجمہ۔ حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری مدظلہ کی کتاب افضلیت سیدنا صدیق اکبر، انیس الارواح و تحفۂ مومن، فخر اہلسنت مولانا حسن علی صاحب رضوی کی کتاب قہر خداوندی، و برق آسمانی۔ اور دیگر کتابیں، ان کی مسلسل اشاعت وطباعت اور دیگر نئی نئی کتابوں کا منظر عام پر آنا اور وہ بھی اس ہوشربا گرانی کے دور میں جب کہ بڑے بڑے صاحب ثروت کتب خانے حوصلہ چھوڑ بیٹھے ہیں، مکتبہ کی ہر دلعزیزی کی روشن دلیل اور

اسکی شائع کردہ کتب کی افادیت پر قدرت کی جانب سے مہر تصدیق ہے ۔

آج آپ کا یہ ادارہ آپکی خدمت میں ایک نئے موضوع پر علمی، ادبی، تنقیدی کتاب "امام نعت گویاں کے عنوان سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ۔ یہ ملک کے نامور مشہور و معروف ادیب و شاعر حضرت علامہ سید محمد مرغوب اختر الحامدی الرضوی مدظلہ، حیدر آباد "سندھ" کی تصنیف ہے ۔ فاضل موصوف کو فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ الشاہ محمد حامد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل ہے

موصوف نے امام اعلیٰحضرت قدس سرہٗ فاضل بریلوی کے مجموعۂ نعت —— "حدائق بخشش" کے گوشہ گوشہ کو فن کی کسوٹی پر پرکھا ہے ۔ اور بلا مبالغہ یہ کلام امام پر اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک جامع اور منفرد کتاب ہے ۔

اگرچہ کلام اعلیٰحضرت پر پہلے بھی کئی مقالات "مجلس رضا" لاہور کی جانب سے شائع ہو چکے ہیں مگر وہ اجمالی اور مختصر ہیں ۔ ہمیں امید ہے کہ زیر نظر کتاب آپ کے ذوق سلیم کو جلا بخشے گی اور آپ اس کی اشاعت میں ہمارا ہاتھ بٹا کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے ۔ تاکہ ہم یہ دینی و مذہبی فریضہ مسلسل انجام دیتے رہیں ۔ نیز ادارے اور اراکین ادارے کے لئے دعائے خیر و برکت اور حضرت مصنف مدظلہ العالی کے لئے دعائے صحت و عافیت فرمائیں گے

فقط آپ کا امیدوار کرم

ابو العطا حافظ محمد نعمت علی چشتی سیالوی

مکتبہ فریدیہ، جناح روڈ ساہیوال

۳۰ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ



احقر اپنی اِس ناچیز کاوش کو سیدی و مولائی، مفتیٔ اعظم ہند و پاک، حضرت علامہ الحاج الشاہ مُصطفےٰ رضا خاں قادری نوری مدفیوضہم شہزادۂ اصغر فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون کرنے میں خاص روحانی لطف و لذّت محسوس کرتا ہے، کیونکہ موصوف کا وجودِ مسعود اِس ظلمت و تاریکی کے دَور میں مسلمانانِ پاک و ہند کے لئے مشعلِ راہ اور مینارِ نُور ہے۔

نیاز مند

اختر الحامدی الرضوی



۳۶۴ ایوب کالونی
بی
لطیف آباد نمبر ۱۱
حیدرآباد

احوالِ واقعی

وقت نے تاریخ نویسی کا قلم ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جو اس کام میں قطعاً مخلص نہ تھے۔ اُردو ادب کی یہ کتنی بڑی بدقسمتی ہے، ہمارے سینکڑوں مجاہدینِ آزادی، جو صاحبِ قلم بھی تھے اور صاحبِ سیف بھی، ارادتاً گمنامی کے تاریک غاروں میں دھکیل دیئے گئے۔ جن کے کارنامے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ایسی بے شمار شخصیتوں کا نام تک تاریخ میں موجود نہیں، اگر کسی خوش بخت کا تذکرہ ملتا بھی ہے تو ضمناً اور سرسری ——— جب کہ بعض ایسے لوگوں کے "فرضی کارناموں" سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہو رہے ہیں جن کا تعمیری کام ان بزرگوں کے مقابلہ میں صفر کے برابر بھی نہیں۔

ابوالمحامد مولانا احمد میاں برکاتی قابلِ مبارکباد ہیں جنہوں نے جولائی ۱۹۷۵ء میں ماہنامہ "ترجمانِ اہلسنت" کراچی کا "جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء" نمبر نکال کر ان میں سے اکثر گمنام شخصیتوں کو منظرِ عام پر لانے کی پہل کر دی ہے، کاش کہ اہلِ درد اُٹھیں اور اس کام کو آگے بڑھائیں۔

ہمیں محترم مخدوم اہلسنت حضرت مولانا حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری دامت برکاتہم کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے لاہور میں ۱۹۶۸ء میں "مرکزی مجلس رضا" کے نام سے ایک ادارہ قائم کر کے اُس عظیم شخصیت کے علمی کارناموں کو عوام و خواص کے سامنے پیش کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے، تاریخ نے جسے یکسر فراموش کر دیا تھا جس نے مسلمانانِ ہند کو اسلامی سیاست سے آگاہ فرما کر:۔ "دشمن کی چال" سے بچایا، دلوں میں اسلام کا صحیح جذبہ پیدا کیا۔ مرکزی مجلس رضا نے چھ سات برسوں میں حضور فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ پر بہت کچھ کام کیا ہے۔ اس ادارے نے قابلِ قدر اہلِ قلم سے بہت اچھی کتابیں لکھوا کر عوام میں پیش کی ہیں۔ جن میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہٗ

دہلوی اور امام اعظم مولانا اختر شاہ جہاں پوری قابلِ ذکر ہیں۔ خصوصاً حضرت مولانا اختر شاہجہانپوری نے ابتدائی چند برسوں میں "مجلسِ رضا" کے لیے بہت کچھ کام کیا اور قلمی معاونت کی۔ آپ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ پر سات آٹھ ہزار صفحات لکھ چکے ہیں جن میں سے تین ہزار صفحات (کم و بیش) مطبوعہ ہیں۔ صرف "معارفِ رضا" (غیر مطبوعہ) جو اعلیٰ حضرت کی حیاتِ طیبہ پر معتبر تاریخی کتاب ہے۔ فل اسکیپ کاغذ کے کئی ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور جس کے چار حصے ہیں۔ افسوس کہ ڈیڑھ دو برس سے حضرت موصوف صاحبِ فراش ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں شفاء کاملہ عطا فرمائے۔

چونکہ حکیم صاحب قبلہ کا کارنامہ مبنی بر خلوص ہے "مجلسِ رضا" کی تقلید کرتے ہوئے دیگر اداروں نے بھی فاضلِ بریلوی پر کام شروع کر دیا ہے اور بہت سی مفید کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

اب تک فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی "نعتیہ شاعری" پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، بعض کتابیں اور رسائل احقر کی نظر سے گزرے ہیں جن میں آپ کی "نعتیہ شاعری" کا سرسری جائزہ تو ملتا ہے مگر آپ کے "کمالِ فن" پر کما حقہٗ روشنی نہیں ڈالی گئی۔ البتہ شمس بریلوی اور شاعر لکھنوی اور بعض دیگر حضرات کے مقالات بہت اچھے ہیں۔ اگرچہ کتاب "امام نعت گویاں" اس نابغۂ روزگار کے کل محاسنِ شعری کا احاطہ نہیں کر سکی ہے پھر بھی احقر نے باوجود علالت و مصروفیت بعض ایسے نقوش کو اُجاگر کیا ہے جو قابلِ توجہ ہیں۔ میری یہ کوشش "نقشِ اول" ہے "نقشِ آخر" نہیں۔ ابھی بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ کاش کہ مجھے مہلک امراض سے نجات مل جائے۔ ہائی بلڈ پریشر، ضعفِ قلب، دردِ گردہ کا دائمی مریض ہوں۔

میں اپنے ربِ کریم جل و علیٰ اور پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے مایوس نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نقشِ ثانی میں دیگر "کمالاتِ سخن" پیش کرنے کی سعی کروں گا۔ اساتذۂ نعت کے "ہم مضمون" اشعار سے اشعارِ اعلیٰحضرت کا موازنہ، اعلیٰ حضرت کا فلسفۂ عشق، فلسفۂ حسن، فلسفۂ غم، فلسفۂ حسنِ نیت، تصوف، مسئلۂ توحید و رسالت، وغیرہ پر بہت کچھ لکھنا ہے۔ آپ میرے لئے دعائے صحت و عافیت کیجئے اور میں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری

پر کام کر تا رہوں۔

اس موقعہ پر اپنے مخدوم حضرت علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہٗ کی سپاس گذاری کے لئے الفاظ نہیں پاتا کہ حضرت موصوف نے باوجود عدیم الفرصتی نہ صرف "تقدیم" تحریر فرمائی بلکہ اس کتاب کے مسودہ پر نظرِ ثانی فرما کر مفید مشوروں سے نوازا۔ باری تعالیٰ شانہٗ حضرت موصوف کا ظلِ ہمایوں تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین۔ میں اپنے محترم و مکرم مخدومی مولانا اختر شاہ جہاں پوری کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں جنہوں نے علالت کے باوجود مسودے کی نقلِ ثانی فرمائی اور اسے نئے سرے سے ترتیب دیا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی اس موقعہ پر موصوف کے لئے درخواستِ دُعا ہے۔

میرے نادیدہ کرمفرما حضرت پروفیسر محمد عبد السمیع صاحب منیاؔ گورنمنٹ کالج ساہیوال کا بھی سپاس گذار ہوں جنہوں نے "پروف ریڈنگ" فرمائی اور اس کتاب کے حُسن کو ماند نہ ہونے دیا۔

حضرت ابوالعطا مولانا حافظ نعمت علی صاحب، مکتبہ فریدیہ ساہیوال کا عزم و حوصلہ بھی قابلِ مبارک باد ہے جنہوں نے زرِ کثیر صرف کیا اور اس کتاب کو منظرِ عام پر لائے، باری تعالیٰ ان کے مال و متاع میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

اختر الحامدی

یکم مارچ ۱۹۷۷ء / ۱۰ ربیع الاوّل شریف ۱۳۹۷ھ

تقدیم

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری مجددی ایم، اے (گولڈ میڈلسٹ) پی، ایچ، ڈی

حیدر آباد

(۱)

جب ہوش سنبھالا اور فکر وشعور بیدار ہوئے تو حضرت والد ماجد، مفتی اعظم ہند، شاہ محمد مظہر اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز کی روحانی وعرفانی محفلوں میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا شیریں و دل آویز کلام دل سے ٹکرا کر جگر میں اُترا ؎

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اِک ادا میں رضا مند کر گئی — غالب

حضرت رضا بریلوی کے کلام سے یہ پہلا تعارف تھا ——— یہ پہلی آواز تھی ——— یہ پہلی پکار تھی جس نے قلب و نظر کو اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر ع

کھنچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم — بیدم

۱ے یہ محفلیں مسجد جامع فتح پوری دہلی میں بعد نمازِ جمعہ حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے حجرہ شریف میں منعقد ہوتی تھیں۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۱۷۱ تا ۱۷۶۔ (مسعود)

جمعۃ المبارک کی محفلوں میں کبھی میدانِ حشر کا یہ تمثیلیہ پڑھا جاتا۔ ؎

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اُجالا کیا ہے؟
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے؟ رضاؔ

میرِ محفل حضرت مفتیِ اعظم ہند کا وجودِ گرامی لرزاں و ترساں، آنکھوں سے اشک رواں، دِل مضطرب و بے قرار —— رقّت کا عجیب عالم ہوتا اور محفل دم بخود ؎

شمع چُپ، پروانے ششدر، اہلِ محفل دم بخود
ہائے کیا تعویز کا عالم تیری محفل میں ہے جگرؔ

اور کبھی یہ نعت سامعہ نواز ہوتی ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سُناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے، ہم کو ہنساتے جائیں گے

اور کبھی یہ نعت ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شۂ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا رضاؔ

کبھی یہ نعت سُن کر دِل کی کلیاں کھِل جاتیں ؎

اُن کی مہک نے دِل کے غنچے کھِلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں رضاؔ

اور ۱۲ ربیع الاوّل کو عیدِ میلادالنّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مجلس میں نمازِ فجر سے پہلے جو صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا —— کھڑے ہو کر ادب و احترام کے ساتھ، جس طرح غلام، آقا کے سامنے حاضر ہُوا کرتے ہیں —— تو کیا بتاؤں کہ کیا عالم ہوتا ہے ؎

دِل گیا، ہوش گیا، صبر گیا، جی بھی گیا
ہجر میں غم کے تیرے ہم سے گیا کیا کیا کچھ میرؔ

ہزاروں کا مجمع ہونا، موافق و مخالف سب شریک ہوتے اور سب کھڑے ہوتے۔ کسی کو

بیٹے نہ دیکھا —— آنکھیں اشکبار، دِل بے قرار اور لبوں پر یہ صدائے دل رُبا ہے

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کیوں نہ ہوتا کہ یہ آرزو، سوز و ساز پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا —— دلِ شیدا کی آواز تھی۔ وہ دِل جو عشق و محبت کا سرچشمہ، جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا فدائی تھا —— جس کا نام نامی احمد رضا تھا، جو عبدِ مصطفیٰ تھا ؎

خوف نہ رکھ رضا ذرا، تُو تو ہے عبدِ مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے! رضا

(۲)

حضرت رضا بریلوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) فنِ شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے، جیسا کہ خود کہا ہے ع

نظمِ پُر نور رضا لوثِ تلمذ سے ہے پاک [۱] رضا

لیکن وُہ بلبلِ چمنستانِ رسالت، شہیدِ جنگِ آزادی، حضرت مولانا کفایت علی کافی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری سے بیحد متأثر تھے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں :-

"کافی کی غزلیں بہت پسند کرتے تھے، اُن کو سلطانِ نعت کہتے تھے" [۲]

بیشک حضرت بریلوی نے حضرت کافی کو مملکتِ نعت گوئی کا سلطان اور خود کو وزیرِ اعظم کہا ہے۔ یہ رباعی ملاحظہ فرمائیں :-

مہکا ہے میرے بُوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافی سلطانِ نعت گویاں ہے رضا
اِن شاءَ اللہ میں وزیرِ اعظم [۳]

---

[۱] احمد رضا خاں، حدائقِ بخشش، حصہ سوم، مطبوعہ بدایوں، ص ۵۴

[۲] غلام رسول مہر: ۱۸۵۷ء کے مجاہد، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء، ص ۳۱۱

[۳] احمد رضا خاں: حدائقِ بخشش، حصہ سوم، ص ۹۳، ۹۴

یہ رباعی کتنی حقیقت افروز ہے؟ —— مصرعۂ اولیٰ کا منظر دیکھنا ہے تو قصیدۂ سلامیہ کی گونج سنیئے —— مصرعۂ ثانی کا منظر دیکھنا ہے تو دیوان حدائقِ بخشش مطالعہ کیجئے مصرعۂ ثالث کا منظر دیکھنا ہے تو قلبِ رضا کی گہرائیوں میں اُتریئے —— مصرعۂ رابع کا منظر دیکھنا ہے تو دُنیائے نعت کے شاعروں سے پوچھئے۔ غالب نے کہا تھا۔ ع

شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن — غالب

مگر یہاں زندگی میں ہی شہرت ملی —— اور مملکتِ نعت گوئی کا وزیرِ اعظم بعد میں سلطانِ وقت بن کر اُبھرا —— بیشک ع

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم — رضاؔ

یہ تعلّی نہیں حقیقت ہے —— یہ جھوٹ نہیں سچ ہے۔

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے شعراء میں انتخاب کیا تو ایسا شاعر جو عاشق بھی ہے اور ماہرِ فن بھی اور سب سے بڑھ کر شہیدِ جنگ آزادی ہے وہ انگریزوں کا دشمنِ جاں ہے، اُس میں جان دینے کا ولولہ ہے اور دستِ قاتل کو چومنے کا حوصلہ ہے ؎

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنّا مت پوچھ
عیدِ نظّارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا — غالب

۱۸۵۷ء میں اُس نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوےٰ دیا[1] —— بریلی کے اطراف میں جہاد کے لئے تبلیغی دَورے کئے —— مجاہدین میں حریّت و آزادی کا صور پھونکا —— اور جب فرنگی غالب آئے تو ۱۸۵۸ء میں مرادآباد میں سرِ بازار سولی پر چڑھا دیا گیا —— اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ خوشی خوشی جان دینے جارہا تھا؟ —— اللہ اکبر! —— آیئے اس شہیدِ ناز کی ایک نعت تو سُن لیجئے :۔

دیکھتے جلوۂ دیدار کو آتے جاتے — گلِ نظارہ کو آنکھوں سے لگاتے جاتے
پائے اقدس سے اُٹھاتے نہ کبھی آنکھوں کو — روکنے والے اگر لاکھ ہٹاتے جاتے

---

[1] محمد ایوب قادری : ترجمہ اردو تذکرہ علمائے ہند، کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۲۴۳، ۲۴۴، ۷۵۰

دستِ صیاد سے چھٹتے تو ہزاروں کی طرح
چمن کوچہ دل بر ہی کو جاتے جاتے!

دشتِ طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے

قدمِ پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آجاتی!
چشمِ مشتاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے

خواب میں دولتِ دیدار ہی ہاتھ آجاتی
بختِ خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے

کافی کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے
لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے [1]

اللہ اللہ! کیا شیفتگی ہے، کیا وارفتگی ہے، کیا خود سپردگی ہے، کیا خود باختگی ہے۔
زبان و بیان اور فکر و خیال ایک سے ایک پُرسوز جانگداز ——— میں نے جب یہ نعت شریف پڑھی دل تڑپ کر رہ گیا۔ بیساختہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور دیر تک ایک ایسے عالم میں پہنچ گیا جہاں خود اپنا ہوش نہ رہا۔ ع

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ چھپائے نہ بنے جگرؔ

حضرت رضا بریلوی نے اس رباعی میں حضرت کافی کے اسی درد و سوز کا ذکر کیا ہے:۔

پرواز میں جب مدحتِ شہ میں آؤں
تا عرش، پرواز فکر رسا میں جاؤں

مضمون کی بندش تو میسر ہے رضا
کافی کا دردِ دل کہاں سے لاؤں رضا

حقیقت میں نعت وہی کہہ سکتا ہے جو واقفِ شریعت و طریقت بھی ہو اور آشنائے عشق و محبت بھی ——— حضرت رضا بریلوی شریعت و طریقت میں یگانۂ روزگار تھے اور عشق و محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فردِ فرید ہے

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم رضا

حضرت رضا اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسن بریلوی (تلمیذِ داغ دہلوی) کے دیوان ذوقِ نعت

---

[1] ماہنامہ السوادالاعظم (مرادآباد)، رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ / ۱۹۳۰ء، ص ۱

[2] احمد رضا خاں: حدائقِ بخشش، حصہ سوم، ص ۹۲

دسمبر ۱۹۲۲ء) سے متعلق ایک قطعۂ تاریخ میں کہتے ہیں۔ ع

شرع زشعرش عیاں، عرش بہ بیتش نہاں [1] رضاؔ

اس سے خود حضرتِ رضاؔ کے اندازِ فکر کا پتہ چلتا ہے اور یہ بات خود اُن کے کلام کے لئے بھی اتنی ہی سچی ہے جتنی حضرت حسنؔ بریلوی کے کلام کے لئے ــــ "شرع زشعرش عیاں" ــــ حدائقِ بخشش کو دیکھیے اور پڑھتے جائیے ــــ دل بزبانِ حال کہتا رہے گا ــــ شرع زشعرش عیاں" ــــ "عرش بہ بیتش نہاں ــــ قلب المؤمن عرش اللہ ــــ اس حدیثِ پاک پر نظر رکھیے اور ایک ایک شعر پر رکھتے جائیے ــــ عرش کا سماں نظر آجائیگا ــــ یہ بات کیوں نہ پیدا ہو جب آرزو ئے دِل کا یہ عالم ہو ؎

خاک درِ او باش رضاؔ تا ز کرامت

خود بشنوی از ہر در و دیوار درودے [2]

حضرت رضا بریلوی نظم و نثر دونوں میں باکمال تھے ــــ اُن کی نثر کہیں مقفٰی و مسجع ہے لیکن سادہ و دل آویز ــــ اور کہیں بامحاورہ و رواں جیسے آب رواں ــــ نظم کا بھی یہی عالم ہے اور نعت میں تو یگانہ اور مثال زمانہ گوناں گوں ــــ غزل کو اتنا بلند کیا کہ نعت بنا دیا ــــ قصیدے میں الگ رنگ ــــ رباعی میں الگ رنگ ــــ پھر بھی سب یک رنگ ــــ یہ کمال کہیں نظر نہیں آتا ــــ علوم قدیمہ میں جو قصیدے کہے ہیں اُن کو پڑھ کر سخن ور عاجز ہوتے جاتے ہیں، شاید آج اُن کا سمجھنے والا بھی نہ ہو۔

حضرت رضاؔ بریلوی کو اُردو شاعری پر جو قدرت حاصل تھی، اتنی ہی قدرت فارسی عربی اور ہندی شاعری پر بھی حاصل تھی۔ اُن کے نعتیہ شاہکار اس پر گواہ ہیں ــــ ہندوستان کی سرزمین میں ایسے شاعر شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں جن کو بیک وقت اِن چاروں

---

[1] احمد رضا خاں : حدائق بخشش، حصہ سوم، ص ۹۳

[2] " " " ص ۶۰

زبانوں پر پوری پوری قدرت حاصل ہو ـــــــ گستاخانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو ہجویہ اشعار ہیں اُن میں بے تکان انگریزی الفاظ استعمال کئے ہیں۔

حضرت رضاؔ بریلوی صاحبِ فن، صاحبِ عشق، صاحبِ علم، اور صاحبِ معرفت تھے ـــــــ ان کی شاعری معمولی شاعری نہ تھی ـــــــ جس طرح اُن کو سمجھنے کے لیئے دردِ عشق کے ساتھ ساتھ گوناگوں علوم و فنون کا جاننا ضروری ہے، صرف اُردو میں ایم اے یا پی۔ ایچ۔ ڈی کرلینا یا ادیبوں، شاعروں اور ناقدوں کی فہرست میں نام لکھوالینا کافی نہیں۔ یہاں بڑے بڑے تبحر اور بڑے سوز و ساز کی ضرورت ہے ـــــــ

ذرا قصیدہ معراجیہ پڑھیئے ـــــــ رُوح وجد میں آنے لگتی ہے ـــــــ کیا سماں کھینچا ہے، زمانہ سمٹ کر ایک نقطے پر نظر آنے لگا ـــــــ شاعری کی ساری فنکاریاں معراج پر ہیں اور سوزِ عشق و محبت کمال پر ـــــــ اور قصیدہ سلامیہ پڑھیئے ـــــــ طوفان بن کر اُٹھا ہے، سیلاب بن کر پھیلا ہے ـــــــ بدعت کے پشتے اِس کی طوفان خیزیوں کے سامنے ڈھیر ہوگئے ـــــــ یہ کمالِ عشق اور کرامتِ محبت ہے ـــــــ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے جو نظم و نثر کے شاہکار انہوں نے پیش کئے ہیں، رہتی دُنیا تک یادگار رہیں گے ـــــــ وہ اپنے محبوب مکرّم صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں :-

منم کہ ہیبتِ من شیر را زبوں سازد | منم کہ نعرۂ من کوہ را ور اندازد
منم کہ زہرہ زنامم عدوے در بازد | منم کہ علم بہ نیروئے بازوم نازد

چشیدہ باشی تیرِ قضا ؟ من آنستم !
شنیدہ باشی احمد رضا ؟ من آنستم ! [۱]

۳

حضرت رضاؔ بریلوی کا دیوان حدائقِ بخشش اُن کی حیات میں ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں

---

[۱] احمد رضا خاں : حدائقِ بخشش، حصہ سوم ص ۷۷

مولانا ماہر القادری نے تنقید فرمائی، پیشِ نظر کتاب امامِ نعت گویاں کے آخر میں "استدراک" کے عنوان سے اُس تنقید کا جائزہ لیا گیا ہے ——— ملک صاحب کے بعد ۱۹۷۵ء میں مولانا نور محمد قادری کا ایک مقالہ بعنوان اعلیٰحضرت کی شاعری پر ایک نظر مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کیا ——— پھر ۱۹۷۶ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے حدائقِ بخشش کا جدید ایڈیشن شائع کیا، جس پر جناب شمس بریلوی نے ۱۳۲ صفحات پر نہایت ہی فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے جو بجائے خود ایک تحقیقی مقالہ ہے، عنوان ہے: ۔ "کلامِ رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ"

دوسرے حضرات میں جناب بشیر قادری صاحب، لاہور (پنجاب) میں اور جناب حکیم محمد ادریس مہمند، سکھر (سندھ) میں حضرت رضا کی شاعری پر لکھ رہے ہیں۔ حضرت رضا کی شاعری پر مندرجہ بالا مستقل مقالوں کے علاوہ رسائل و اخبارات میں بہت سے مضامین و مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ راقم کے علم میں ایسے ۴۴ مضامین و مقالات ہیں۔ اختصار و اجمال کے پیشِ نظر یہاں صرف مضمون نگاروں کے نام کے ساتھ اخبار یا رسالے کی نشاندہی کی جاتی ہے :۔

۱ :۔ اقبال احمد فاروقی (ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ، ۲۵ صفر ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء)
۲ : قدیر اختر ندوی (ماہنامہ اعلیٰحضرت، بریلی، جون ۱۹۶۶ء)
۳ : عابد نظامی (مقالاتِ یوم رضا، حصہ اوّل، لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۱۰۲، ۱۲۶)
۴ : اسحاق طاہر القادری (ماہنامہ اعلیٰحضرت، بریلی، مئی جون ۱۹۶۸ء) [1]
۵ : عبد الحکیم شرف قادری (یادِ اعلیٰحضرت، ہری پور، ۱۹۷۰ء، ص ۳۳ - ۳۹)
۶ : محمد جمیل کاموبکی (ماہنامہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، صفر ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء)
۷ : عابد نظامی (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء)
۸ : نور محمد قادری (ماہنامہ ترجمان اہلسنت، کراچی، فروری ۱۹۷۴ء)

---

[1] یہ مقالہ ہفت روزہ الہام (بہاول پور) کے شمارہ ۱۲ اگست ۱۹۷۴ء میں دوبارہ شائع ہوا۔ (مسعود)

۹ : سید انور علی ایڈوکیٹ (ترجمان اہلسنت، کراچی، مارچ ۱۹۷۵ء) لے

۱۰ : محمد مسعود (ہفت روزہ المجاہد، کان پور، ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء)

۱۱ : ابو الطاہر فدا حسین (ہفت روزہ امروز، لاہور، ۲ مارچ ۱۹۷۵ء)

۱۲ : قاری محمد عبد اللہ (ہفت روزہ سعادت، لاہور، ۹ مارچ ۱۹۷۵ء)

۱۳ : فیاض احمد خاں کاوش (ترجمان اہلسنت، کراچی، اپریل ۱۹۷۵ء)

۱۴ : رضا اللہ عارف نوشاہی (ہفت روزہ الہام، بہاول پور، ۱۴ جون ۱۹۷۵ء)

۱۵ : محمود احمد قادری (ترجمان اہلسنت، کراچی، دسمبر ۱۹۷۵ء)

۱۶ : محمد مظفر احمد برکاتی (ترجمان اہلسنت، کراچی، جنوری ۱۹۷۶ء)

۱۷ : عبد الحکیم اختر شاہجہان پوری (ضیائے حرم، لاہور، فروری ۱۹۷۶ء)

۱۸ : پاشا بیگم (ترجمان اہلسنت، کراچی، فروری ۱۹۷۶ء)

۱۹۷۶ء میں بمبئی سے ماہنامہ المیزان کا امام احمد رضا نمبر شائع ہوا، جو ۴۴۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں حضرت رضا بریلوی کی حیات اور کارناموں پر بیسیوں مقالات ہیں، صرف شاعری پر ۱۴ مضامین و مقالات ہیں۔ —— لکھنے والوں میں یونیورسٹیوں کے فضلاء بھی ہیں، علماء بھی اور شعراء بھی —— ان قلمکاروں کی فہرست ملاحظہ ہو:۔

۱ : ڈاکٹر حامد علی خاں
۲ : ڈاکٹر وحید اشرف
۳ : ڈاکٹر سلام سندیلوی
۴ : ڈاکٹر امانت
۵ : ڈاکٹر ملک زادہ منظور
۶ : ڈاکٹر طلحہ برق
۷ : پروفیسر عظیم الحق
۸ : جناب کالیداس گپتا رضا
۹ : جناب شمیم اشرف (بی۔ اے علیگ)
۱۰ : جناب اشفاق احمد (بی۔ اے)
۱۱ : جناب طارق سعید (بی۔ اے)
۱۲ : مولانا شاہد رضا (ایم۔ اے)
۱۳ : مولانا سید شمیم گوہر
۱۴ : مولانا وارث جمال بستوی
۱۵ : مولانا بدر القادری مصباحی
۱۶ : پروفیسر فاروق احمد صدیقی

لے یہ مقالہ سعادت (لاہور) کے شمارہ ۹ مارچ ۱۹۷۵ء میں دوبارہ شائع ہوا۔ (مسعود)

مندرجہ بالا ۴۴ مضامین ومقالات کے علاوہ بہت سے ایسے مضامین ہیں جو عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔ مولوی محمد مرید احمد چشتی تسیالوی نے شعرا اور فضلا کے افکار و آرا کا ایک نادر مجموعہ مرتب کیا ہے۔ اُس میں حضرت رضاؔ کی شاعری پر جناب انجم وزیر آبادی، جناب منظفر عزیز اور جناب شاعر لکھنوی کے مقالات قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر فاضل کا مقالہ بعنوان "تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضاؔ بریلوی کا منصب" مرکزی مجلس رضاؔ نے لاہور نے ۱۹۷۷ء میں شائع کر دیا ہے۔ ——— ایک مضمون علامہ مولانا محمد لطیف صاحب نعیمی نے بھی قلم بند فرمایا ہے جو عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

حضرت رضاؔ بریلوی کی شاعری پر لکھنے والوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے تو ایک مبسوط مقالہ بن جائے۔ اِس مختصر مقدمہ میں اِس تفصیل کی گنجائش نہیں ———
اب مناسب معلوم ہوتا ہے ——— کہ حضرت فاضلِ مؤلف مولانا اخترؔ الحامدی زید عنایتہٗ کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے کیونکہ تصنیف وتالیف کی حقیقی واقفیت کا اندازہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب مصنّف ومؤلف سے کماحقہٗ تعارف حاصل ہو جائے۔

(۵)

جناب مولانا سید مرغوب اخترؔ الحامدی زید عنایتہٗ نسباً سید، مسلکاً سنی حنفی، اور مشرباً قادری ہیں ——— ۱۵ رشعبان المعظم ۱۳۴۰ھ کو ریاست جودھ پور میں ولادت ہوئی۔ دار العلوم منظر اسلام (بریلی) سے علوم شرقیہ کے امتحانات پاس کئے ——— اور نہایت امتیاز کے ساتھ، سند میں یہ تصریح موجود ہے:۔ قام فی الصف الاوّل من بین خمسیۃ طلبۃ۔

جناب اخترؔ الحامدی کے والد ماجد مولوی محمد ایوب منش باکمال شاعر تھے ——— نانا حکیم سید راحت علی راحتؔ بھی شاعر تھے اور ماموں حکیم سید اصغر علی صاحب اصغرؔ بھی شاعر تھے۔ گویا جناب اخترؔ الحامدی کو ننھیال اور ددھیال دونوں جانب سے ذوقِ شاعری ملا اور پھر بیعت بھی ہوئے تو ایسے شیخ سے جو خود شاعر اور امام نعت گویاں کا

فرزندِ اکبر یعنی حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز (خلف الرشید حضرت رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز)۔

جناب اختر الحامدی نے ابتدا میں بیدل بدایونی (ابنِ بیخود بدایونی شاگرد داغ دہلوی) سے استفادہ کیا۔ انجمن اسلامیہ (جودھپور، بھارت) کے سالانہ نعتیہ مشاعرے میں مصرع طرح پر ایک طویل نظم لکھ کر حضرت بیدل کو پیش کی اور اُن کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے۔ حضرت بیدل کے بعد جناب اختر الحامدی نے اپنے والد ماجد منش (شاگرد میر خلش تلمیذ مومن دہلوی) سے استفادہ کیا اور آخر میں مولانا ضیاء القادری بدایونی (شاگرد امیر بدایونی، تلمیذ غالب دہلوی) سے شرف تلمذ حاصل کیا اور حضرت موصوف ہی نے سندِ تکمیل و اجازت سے سرفراز فرما کر ۱۷ جولائی ۱۹۶۶ء کو اپنی زندگی میں اپنا جانشین نامزد فرمایا: ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

جناب اختر الحامدی کو مومن دہلوی، غالب دہلوی، داغ دہلوی جیسے عظیم شاعروں سے نسبت ہے، اس لئے ان کی شاعری محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کا دیوان نعت محل ۱۹۷۴ء میں لاہور سے شائع ہوا، کلام نہایت پختہ، دلنشیں و دل آویز ہے اور ظاہری و باطنی محاسن سے مالا مال ——— جناب اختر الحامدی نے ہر صنفِ شاعری پر طبع آزمائی کی ہے، لیکن اب بقول اُن کے ع

میری کتابِ فکر کے عنوان ہیں مصطفٰے[2]

جناب اختر الحامدی ۱۹۴۷ء سے پہلے سے لکھ رہے ہیں۔ ابتدا میں انہوں نے افسانے بھی لکھے جو ماہنامہ مشہور (دہلی) میں شائع ہوئے۔ اُن کی نعتیں پاکستان کے جرائد ضیائے حرم، ترجمانِ اہلسنت، رضوان، ماہِ طیبہ، انوارِ صوفیہ، آئینہ وغیرہ میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

---

[1] مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال سے حاصل کریں۔

[2] اختر الحامدی: نعت محل، لاہور ۱۹۷۴ء، ص ۸۴

جناب اختر الحامدی ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے اور حیدر آباد سندھ میں قیام فرمایا اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے تفصیل حالات کے لئے اُن کے دیوان نعت محل میں مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری کا حرفِ آغاز (ص ۷ تا ۱۴) مطالعہ کریں جو نہایت ہی جامع اور فاضلانہ ہے[1]۔

۶

حضرت رضا بریلوی کی شاعری پر لکھنے کے لئے جناب اختر الحامدی جیسے صاحبِ نسبتِ جلیلہ فاضل کی ضرورت تھی ——— پیشِ نظر مقالہ میں انہوں نے حضرت رضا بریلوی کے کلام کا مختصر مگر جامع تعارف کرایا ہے ——— انہوں نے حضرت رضا کے کلام میں حسنِ تغزل، مضمون آفرینی، رعنائی خیال، جدتِ تخیل، برجستگی اور نشست الفاظ، روزمرہ و محاورہ، سلاستِ زبان و بیان، تشبیہات و استعارات، صنائع لفظی و معنوی وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے ——— اصنافِ سخن میں نعت کے علاوہ قصیدہ اور رباعی کا بھی ذکر کیا ہے اور اس انداز سے کہ حضرت رضا کے کمالاتِ شاعری کا دل پر نقش مرتسم ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ مقالہ صفِ اوّل کے اُن مقالوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ جو حضرت رضا بریلوی کی شاعری پر اَب تک لکھے جا چکے ہیں۔

پیشِ نظر مقالہ اور دوسرے مقالات و مضامین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ

حضرت رضا بریلوی نعت گو شعراء کے امام اور مملکتِ نعت گوئی کے سلطان ہیں۔

اِس حقیقت کو اگرچہ ماضی میں تسلیم نہیں کیا گیا مگر اَب اہلِ نظر فراخ حوصلگی سے تسلیم کر رہے ہیں اور اِس امر پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں کہ جو اَب جانا پہچانا گیا، پہلے کیوں نہ جانا پہچانا گیا؟

---

[1] ملاحظہ فرمائیں:-

(۱) شرف الدین یکتا جودھپوری: بہارِ سخن، حیدر آباد سندھ ۱۹۶۳ء، ص ۳۰۱، ۳۰۲

(۲) محمد انوار الحق: تذکرۂ شعرائے اُردو، حیدر آباد سندھ ۱۹۶۷ء ص ۲۵، ۲۶، ۲۹، ۳۰

جو، اب سنا گیا، پہلے کیوں نہ سنا یا گیا؟ ——— جو، اب دیکھا گیا، پہلے کیوں نہ دیکھا گیا؟

——— جو اب تسلیم کیا جا رہا ہے، پہلے کیوں تسلیم نہیں کیا گیا؟ ———

——— واقعی اہلِ نظر کے لئے یہ بات نہایت ہی شرم و ندامت کی بات ہے ———

——— جس طرح آنکھ والوں کے لئے یہ بات کہ آفتاب آج دیکھیں اور نصف صدی بعد اقرار کریں۔

راقم کے خیال میں پاکستان و ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ فراخ دلی سے کام لے کر حضرت رضا بریلوی کا ضرور مطالعہ کریں اور پھر اگر علم و ادب اور فضل و کمال میں یگانۂ روزگار پائیں تو اس طرف متوجہ ہوں ——— ایسی پہلو دُور شخصیت پر ایک نہیں بیسیوں عنوانات مل جائیں گے۔ ع

مجبورِ یک نظر آ ، مختارِ صد نظر جا !

پروفیسر مارگولیوس نے لکھا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں میں شامل ہونا بڑے فخر کی بات ہے۔ راقم اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ آپ کے عاشقوں کے سوانح نگاروں کی فہرست میں شامل ہونا اور اُن کے علمی و ادبی کمالات کو اُجاگر کرنا بھی کچھ کم فخر کی بات نہیں ——— مولیٰ تعالیٰ جناب اختر الحامدی صاحب زید عنایتہٗ کی اس ادبی کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور دین و دُنیا میں اس کے ثمرات سے مالا مال فرمائے۔ آمین

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہٗ

ایم ۔ اے ، پی ۔ ایچ ۔ ڈی

پرنسپل

گورنمنٹ کالج ، مِٹھی (ضلع تھر پارکر ، سندھ)

۱۴ر فروری ۱۹۷۷ء

فرمودۂ گرامی

جناب الحاج پروفیسر محمد عبد السمیع ضیاء چشتی سیالوی پروفیسر گورنمنٹ کالج ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدائق بخشش پہلی دفعہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں باصرہ نواز ہوئی۔ جب کہ حضرت خواجہ گل محمد صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت شفقت و محبت فرماتے ہوئے اس کا قلب پرور روح نواز نسخہ اپنے دستِ کرم سے عنایت فرمایا اور حرزِ جاں بنانے کی تاکید فرمائی۔ یہ تقریب میرے لئے باعثِ صد برکت و سعادت ثابت ہوئی۔ اور اعلحضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی تعلق بڑھتا ہی چلا گیا۔ ان کی عظمت کے نقوش لوحِ جاں پر مرتسم اور اُن کی شخصیت کے گوناگوں پہلو صفحۂ ذہن پر اُجاگر ہوتے رہے۔ جوں جوں اکتسابِ علم و انشراحِ صدر کے مراحل طے ہوتے رہے روح بارگاہِ رضا کی طرف کھنچتی چلی گئی۔ نہ جانے کیا جاذبیت تھی اُن کے نام میں کہ دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے

یہ کس کے نام نے لے لی زباں میں چٹکی\
کہ بے قرار ہوئیں شوخیاں بیاں کیلئے

یہ وابستگی خاطر آخر ارادت و عقیدت کے پیکر میں ڈھل گئی اور ان کے نصب العین حیات یعنی "عشقِ رسول" کی چنگاریوں نے اس عاجز کے قلب میں سے سلگنا شروع کر دیا۔ اگرچہ قسامِ ازل نے جبلی طور پر ایک مضطرب دل اور بے قرار روح ودیعت فرمائی تھی کہ ہم بزبانِ شعر کہہ سکتے تھے ؎

دل ڈھونڈنا سینے میں مرے بوالعجبی ہے\
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

لیکن حدائق بخشش کا سراپا، مجسم میر۔ بن کر جب دُنیائے درد سے مخاطب ہوتا کہ ؎

میں کون ہوں ہمنفساں سوختہ جاں ہوں
اک آگ مرے دِل میں ہے جو شعلہ فشاں ہوں

تو فوراً قلبِ حزیں کی گہرائیوں سے صدائے بازگشت آتی ہے

دیکھ تو دِل کہ جاں سے اٹھتا ہے!
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے!

حتیٰ کہ زندگی اس سوز و سانسے عبارت ہوگئی۔ اور خلش عشق میں یک گونہ وجہ سکون میسّر آنے لگی۔ اور ہم مولانا اختر الحامدی کے اس شعر کا مصداق بن گئے ہے

ہے طرفہ خنک سوز فراق نبوی سے بھی
یارو عجب عالم ہے دِل سوختہ سے کا

حدائق بخشش کے معروضی (SUBJECTIVE) طرزِ اظہار اور حضرت رضا بریلوی کے اندازِ شیفتگی کا انحصار شدتِ جذبۂ دِل پر ہے۔ یہ اندازِ سخن نہ صرف فطری ہے بلکہ ابدی صداقتوں اور شعری کیفیتوں کا پیامبر ہے۔ اِس کا تاثر انفرادی اور مقامی نہیں بلکہ ہمہ گیر و شدید نوعیت کا ہوتا ہے۔ چونکہ اُس کے محرکات و عوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی، کیفیات و باطنی رجحانات پر مشتمل وہ جذبۂ صادق اور خلوص کامل ہے ہوتا۔ جو ایک شعلہ بداماں دِل کے اندر موجود و مصروفِ کار رہتا ہے۔ اِس لئے وُہ جذبۂ صادق و خلوص کامل قاری کے گوشِ جاں میں اپنی پوری صداقتوں کے ساتھ اُتر جاتا ہے اور قاری یوں سمجھتا ہے ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یوں سمجھا کہ یہ بھی میرے دِل میں ہے

اِس طرح حضرتِ رضا بریلوی کی شاعری ہمارے نغماتِ دِل کا ساز بن گئی۔ اور ذوقِ عشق کی مربّی۔

الحمدللہ! کہ اِس تربیت کامل نے وہ منزل بھی عطا کی کہ جب کبھی کوئی قافلہ دیارِ محبوب کی طرف عازم سفر ہوتا اختر الحامدی کی زبان میں اپنے دردِ عشق کے دامن کش

ہو جاتے ہیں ؂

اُٹھ اور نئے انداز سے اُٹھ نیت ترے صدقے

لے چل مجھے اے دردِ جگر سوئے مدینہ

اور چشم براہ وگوش برآواز رہتے کہ کب دیارِ محبوب سے بادِ صبا پیامِ جانفزا لاتی ہے

؂ کب دیکھئے سرکار سے آتا ہے بُلاوا دن رات ہے اختر کی نظر سوئے مدینہ

انہیں انتظار و بے قراری کے ایام جانگسل میں ایک دفعہ ایک بزرگ کی ملاقات کے لئے ہزارہ ڈویژن کے کوہستانی علاقے بٹ گرام کے نزدیک دیہات میں جانے کا اتفاق ہوُا۔ واپسی پر جب کہ بس سطحِ سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ۴۰ میل کی رفتار سے تیز دوڑ رہی تھی۔ تو بس کے پختون ڈرائیور نے ایک ریکارڈ "آن" کر دیا کا عنوان تھا

؂ آیا ہے بلاوا مجھے دربارِ نبی سے

نغمہ کیا تھا: میرے دلِ ساز کو مضراب درد لگا گیا۔ جذباتِ دل امڈنے لگے۔ پھر رقت کا وہ عالم طاری ہوُا، کہ یہ کہنا پڑا ؂

مطرب فتنہ نوا نغمۂ پُر درد نہ چھیڑ

نکلا پڑتا ہے میرے سینے سے باہر کوئی

اہلِ تشرع پتہ نہیں اس کو کیا کہیں گے۔ لیکن مفتیٔ دل نے تو فیصلہ دے دیا کہ واقعی دربارِ نبی سے بلاوا آگیا ہے۔ اور امرِ واقعہ بھی یہی ہے۔

طلب و تمنا جب اپنے منتہا (climax) پر پہنچ چکی تھی، تو حریمِ ناز سے پیامِ حاضری ناگزیر تھا۔ چنانچہ اِس واقعہ کے دس بارہ روز بعد ہم سفرِ حج کے درخواست گزاروں میں نام لکھوا چکے تھے اور زیارتِ کعبہ کے بہانے جانِ کعبہ و جانِ جہان کے مزارِ پُرانوار کے دیدار کی راہ ہموار کر چکے تھے۔

للہ الحمد! کہ وہ ساعتِ عزیز و عظیم بھی آئی۔ ذلیقعدہ ۱۳۹۴ ہجری کے اواخر میں خاکِ مدینہ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رات کا آخری حصہ تھا ذلیقعدہ کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ مدینے کے چاند (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)، کے

حضورِ مجرا کے لئے حاضر تھا۔ فضا کی خنکی اور ہوا کی نزہت آرزومندانِ مدینہ کا استقبال کر رہی تھی۔ نہ پوچھئے احساسات وجذبات کی دنیا میں کیا طوفان بپا تھے۔ درِ جاناں قریب تھا اور حیرانِ دنیا اپنے بس میں نہ تھا۔ اپنی بے بسی پر ترس آیا اور شہیدی علیہ الرحمۃ کی کامیابی پر رشک جنہوں نے کہا تھا ؂

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

اس عالم میں اپنے معلم جناب حیدر الحیدری کے ڈیرے پر سامان وغیرہ ٹھکانے لگانے کے لئے جانا پڑا۔ سامان رکھا اور والدہ محترمہ مدظلہا کی استراحت کے لیے بستر بچھا رہا تھا کہ ایک کونے میں سے نہایت پُرسوز و دل فروز لے میں حضرت رضا بریلوی کی نعت شریف سامعہ نواز ہوئی ؂

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ لیا کعبے کا کعبہ دیکھو

بارہا اس نعتِ پاک کو سننے کا اور اس پر سر دھننے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن دیارِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جو کیف اُس رات اِس نعتِ گرامی کے استماع سے حاصل ہوا وہ بھی میری زندگی کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ اہلِ درد ہی کچھ اس عالم کا صحیح احساس کر سکتے ہیں۔

یہ حضرتِ رضا بریلوی کی شاعری کی جہانگیری ہے یا خاکِ پاکِ مدینہ میں اُس زندہ جاوید عاشقِ رسول کی روحِ اقدس کا درود کہ جسم ظاہری کو عشقِ محبوب میں راکھ کر دینے کے بعد بے قرار روح کعبے کے کعبہ کا طواف کر رہی ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہی ہے ؂

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

مَیں نے محسوس کیا اور بڑی شدت سے محسوس کیا کہ حدائق بخشش کے عظیم شاعر اور مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عاشقِ صادق حضرت رضا بریلوی کی روح جو عرصۂ دراز سے میری مربی و مرشد رہی ہے۔ میری جان کے قریب ہے اور اقبال کی زبان میں کہہ رہی ہے

ے بیا اے ہم نفس باہم بنالیم من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگوئیم بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

اِس دمساز و جاں نواز روحِ رضا نے ارضِ طیبہ میں اپنی کریمانہ دمسازی سے زندگی کے شب و روز کو جتنا اور جسطرح متکیف بنایا اُس کی کہانی بڑی طویل ہے۔ خُدا نے چاہا تو کبھی اور موقع پر بیان کروں گا۔ صرف ایک جھلک حضرت رضا کے اِس شعر کی صورت میں ملاحظہ فرمائیے ے

رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں
دلِ خوننابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

قارئین کرام! اِس طولانی تمہید پر معذرت خواہ ہوں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح حضرت بریلوی کی کتاب حدائقِ بخشش نے اِس عاجز پر فیضانِ عظیم کیا لاکھوں مسلمانوں کے دل عشقِ مصطفےٰ کی روشنی سے منوّر فرما دیے۔ اور کروڑوں انسانوں کے دل کی تڑپ کو زبانِ شعر عطا کر دی اُس پر جتنا بھی لکھا اور کہا جائے پھر بھی!

ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خُدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات سے اثر پذیر اور اُن کی ہزار پہلو شخصیت کے فیضانِ بے پایاں سے بقدرِ استطاعت و حوصلہ فیضان گیر حضرات نے گوشۂ سکوت و کنجِ خمول سے نکل کر تحریر و تقریر کے میدان میں آکر حضور بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بوقلموں حیثیات پر روشنی ڈالنا شروع کر دی ہے۔ اور اُن کی عظمتِ شان و رفعتِ مقام کے ہزارہا گوشے جو عوام الناس تو کیا۔ خواص سے بھی پنہاں تھے آشکارا ہونے لگ گئے ہیں۔

انہیں مساعیٔ مشکورہ میں زیرِ نظر کتاب "امامِ نعت گویاں" بھی ہے۔ جس کا موضوع حدائقِ بخشش کی صوری و معنوی خوبیاں بیان کر کے حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو فنِ نعت گوئی کا امام ثابت کرنا ہے۔

حضرت مولانا اخترالحامدی ہمارے شکریے اور مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے

اپنی علالت کے باوجود یہ کتاب مستطاب لکھ کر دنیائے سنّیت پہ احسان فرمایا کیوں کہ حضرت رضا بریلوی کی شاعری کے فنی محاسن کا اظہار اور موضوع متذکرہ پر منطقی انداز سے گفتگو ایک کامل فن ہی کر سکتا ہے۔

انگریزی کے مشہور شاعر اور ڈرامہ نویس بن جانسن (BEN GOHMSON) کا دعوٰی کہ شاعروں کی پرکھ محض شاعر ہی کر سکتے ہیں، وہ بھی سب شاعر نہیں محض بہترین شاعر، بالکل صحیح اور مبنی پر حقیقت ہے۔ کسی زبان کے عظیم ناقدوں کی فہرست پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے، مقام برتر پر فائز وہی اصحابِ نقد و نظر ہوں گے جو خود عظیم فنکار بھی تھے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ ذوق اور حسنِ تربیت کے باعث تخلیقی عمل کی قدر شناسی کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن بقول ایک انگریز مصنف فن کا ہر نقاد نابغہ (GENIUS) نہیں ہوتا لیکن ہر نابغہ فن کا پیدائشی نقاد ہوتا ہے۔ اِس اُصول کے مطابق ہمارے لئے یہ بات باعثِ صد اطمینان و مسرّت ہے کہ حضرت اختر الحامدی نہ صرف شاعر ہیں بلکہ فنِ نعت گوئی میں ایک درجۂ امتیاز رکھتے ہیں اور بحیثیت ایک تخلیقی فنکار تجربات و تاثرات کے اُن مراحل و مقامات سے گزرے ہیں جن سے اُن کی کتاب "امام نعت گویاں" کے موصوف و ممدوح حضرت رضا بریلوی نہایت سطوت و شکوہ کے ساتھ گزر کر امامت امامت و سیادتِ فن کے منصب رفیع پر متمکن نظر آتے ہیں۔

میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ حبیب مکرم حضرت مولانا حافظ نعمت علی چشتی ادام اللہ فیوضہم نے "امام نعت گویاں" کا مسوّدہ مطالعہ کے لیے عنایت فرمایا۔ اِس کو کتاب کی جاذبیت کہیے یا اعلٰحضرت سے عاجز کی عقیدت، کہ پوری کتاب ایک نشست میں تمام ہوئی۔

حضرت اختر الحامدی کی نعتیں مختلف رسائل میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لیکن اُن کے کلام سے پورا تعارف ہرگز نہ تھا۔ "امام نعت گویاں" کے مطالعے کے بعد اُن کا نعتیہ مجموعہ "نعت محل" دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جس شاعر کے مخزن سخن میں اس قسم کے درخشاں و تاباں جواہر پارے موجود ہوں۔ اُن کی شاعری کی عظمت کا اقرار نہ کرنا بہت بڑا ظلم ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے:-

یہ حسن و رنگ، یہ نور و نکھار آپ سے ہے	حسینِ کعبہ حسینِ ہر بہار آپ سے ہے
یہ کہکشاں، یہ ستارے یہ پھول یہ غنچے	یہ کائناتِ جہاں در کنار آپ سے ہے
جانِ حزیں کا چین، سکونِ شکستہ دل	جو ہیں قرارِ خاطرِ مضطر وہ آ گئے

دعا کرتا ہوں کہ مولائے کریم اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے حضرت اختر الحامدی کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ اور مسلک و مشرب رضا کی خدمت کا خطِ وافر عنایت فرمائے۔ مولا تعالیٰ حضرت مولانا حافظ نعمت علی صاحب کے مکتبہ فریدیہ میں وسعت و برکت عطا فرمائے۔ جس کے واسطہ سے اتنی عزیز و بابرکت کتب دین کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ الطاہرین وعباداللہ الصالحین۔

حررہٗ

عاجز عبدالسمیع عفی عنہٗ

رضا منزل ۴۸۴ - ایس

فرید ٹاؤن

ساہیوال

تقریظ

(علم بردار مسلکِ اعلیٰحضرت حضرت علاّمہ ابو داؤد الحاج مولانا محمد صادق صاحب گوجرانوالہ)

مدّاحِ حبیب، شاعرِ اہلسنّت، پروانۂ شمعِ رضویت، حضرت مولانا سیّد محمد مرغوب صاحب اختر الحامدی مدظلہ العالی کو مولیٰ تعالیٰ بوسیلۂ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا بہ حفاظت و سلامت رکھے اور حرمین طیبین کی حاضری سے جلد مشرف فرمائے۔ ان کا وجود عاشقانِ شانِ رسالت اہلسنت و جماعت کے لیے بہت محبوب و مرغوب ہے اور قدرت نے ان کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بہتر سے بہتر انداز میں ماشاء المولیٰ ان کا خوب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ گذشتہ کچھ ہی عرصہ میں پے در پے مختلف صورتوں میں جن کمالات کا مظاہرہ ہوا ہے اِن سے مسلکِ اہلسنّت کی تقویت کے علاوہ حضرتِ اختر کا مقام بھی بہت بلند ہو گیا ہے اور ان کی پیشِ نظر کتاب "امامِ لغت گویاں" اِس سلسلہ کی ایک اہم تاریخی کڑی ہے۔ اللّٰھم زد فزد

الفقیر ابو داؤد محمد صادق غفرلہٗ
زینۃ المساجد - گوجرانوالہ

اِبتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سرکارِ مدینہ، تاجدارِ بطحا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ بعد از خدا لئے برتر دونوں عالم میں سب سے بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ ہے۔ نہ ملائکہ مقربین میں کوئی آپ کا ہم پایہ نہ انبیاء و مرسلین میں کوئی آپ کا ہم رتبہ۔ آپ مجمع ہر فضل و کمال اور بے مثل و بے مثال ہیں۔ فضل و کمال بھی وہ لازوال کہ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ارشادِ ربِّ ذوالجلال ہے۔ ہر لمحہ آپ کا اعزاز فزوں سے فزوں تر، ہر لحظہ آپ کے جاہ و جلال اور عظمت و بزرگی میں اضافہ ہی اضافہ۔ دُنیا کے تمام مدارج آپ کی رفعتِ شان کے آگے پست، دوجہاں کی نعمتیں آپ کے وقارِ محبوبیت اور عُلوّ مرتبت کے سامنے سربسجود۔ آپ کا پرچم افتخار عرش و لامکاں کی فضاؤں میں پرآں۔ آپ کا عَلَم فضیلت قصرِ قوسین و دنیٰ پر نصب۔ ہر برتری کو آپ پر فخر، ہر فضیلت آپ پر نازاں۔"

ذات وُہ جس کے محیط میں کل کائنات ایک نقطۂ مبہم، آسمانوں کی پہنائیاں جس کی وسعتِ ذات میں گم۔ جس کی خاکِ پا کا ایک چھوٹے سے چھوٹا ذرہ قدر و قیمت میں کائنات پر بھاری۔ ایسے رفیع۔ ایسے عظیم محبوب کی مدح و ثنا کوئی کیا کر سکتا ہے اور کوئی کیا کرے گا۔ قرآن کریم ابتدا سے انتہا تک آپ کی ثنا ہی ثنا ہے، مدح ہی مدح ہے اور آپ سراپا قرآنِ مجید کی ثناگری کا آئینہ:۔

اِک اِک ادا ہے آپ کی آیاتِ بیّنات
جس زاویے سے دیکھئے قرآں ہیں مصطفیٰ ؐ (اختر الحامدی)

مگر جس معبود نے اپنے عظیم عبد کا ذکر خود بلند فرمایا : وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اُس کی مدح وثنا کا نغمہ کون نہ گائے اور کیوں نہ گائے ۔ خود محبّ اپنے محبوب کی نعت اپنے فرشتوں کے ساتھ فرما رہا ہے :- اِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ، بلکہ غلامانِ حبیب کو بھی حکم فرماتا ہے : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ (صلی اللہ علیک یارسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ) دونوں عالم نغماتِ نعت سے گونج رہے ہیں ؎

کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے (اعلیٰحضرت)

آدم سے تا عیسیٰ (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) ہر نبی اور رسول کی زبان پر آپ کی رفعت شان کا خطبہ ہے ۔ صفوفِ صحابہ پر نظر ڈالئے تو کہیں مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ، کہیں حضرت حسان بن ثابت کہیں حضرت کعب بن زہیر ، کہیں ابن رواحہ رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین نعت خوانی کرتے نظر آرہے ہیں ، کہیں خواتین میں حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محوِ ثنا گری ہیں ۔ تابعین وتبعِ تابعین میں حضرت امام زین العابدین اور امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ اولیاء وصلحا میں تاجدارِ بغداد حضور غوثِ اعظم ، سلطان الہند خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہما ، صوفیا وعلماء میں حضرت جامیؔ ، قدسیؔ ، مولانا روم ، شیخ سعدی شیرازی وغیرہم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

غرضیکہ انبیاء واولیاء ، صوفیاء وصلحاء اور علماء وشعراء میں انہیں کا ذکر ہے ۔ ہر جگہ انہیں کی نعت ہے ، ہر مقام پر انہیں کا چرچا ہے ۔ ہر زبان پر انہیں کا نام ہے ۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہ ایسے لاشریک معبود کا عبدِ عظیم ہے جس کی معبودیت لامحدود ، ادراک سے پرے اور اِس عبدِ عظیم کی عبدیت بھی لامتناہی ، عقل سے اُدھر ۔ اگر معبود رب العالمین ہے تو اپنے اِس عظیم عبد کو بھی رحمۃ للعالمین بنایا ہے ۔ جہاں معبود کا ذکر ہے وہیں اس عبدِ عظیم کا تذکرہ بھی ہے حقیقت سے تا مجاز اور اذان سے تا نماز جہاں اشہد ان لا الہ الا اللہ ہے وہیں اشہد ان محمد رسول اللہ بھی کہنا پڑتا ہے ۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ کے ساتھ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ نہ پڑھا تو نماز مردود وباطل ـــــــ باری تعالےٰ نے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کو نماز جیسی اُمّ العبادات میں شامل فرما کر عینِ عبادت بنا دیا ہے اور یہ وہ عبادت ہے جس کا کیف وسرور

الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے آقا کی ثناگری میں عبادت کے مزے لوٹ رہے ہیں، جن کا دل دربارِ حبیب میں اور جن کا قلم صفحۂ قرطاس پر سربسجود رہتا ہے۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔ رب کی نعمتوں میں سے ایک مسلمان کے لئے سب سے عظیم نعمت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے اور تحدیثِ نعمت کا طریقہ نعتِ حبیب کے سوا اور کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اہلِ قلم نے اپنی کتاب کی ابتداء حمدِ الٰہی اور نعتِ رسالت پناہی سے کی ہے۔ ہندوپاک میں نثری و شعری ادب میں بیسیوں اہلِ قلم نے اپنے قلم کو نعتِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ وہ متقدمین ہوں یا متوسطین و متاخرین سب بارگاہِ رسالت میں مدح سرا ہیں۔ تفریح الاذکیاء، سیرتِ رسولِ عربی، مولودِ شہیدی، میلادِ اکبر، اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی کا تمام ذخیرۂ نظم و نثر اور دیگر حضرات کی اَن گنت تصانیف امیر مینائی کی محامدِ خاتم النبیین، محسن کاکوروی کی کلیاتِ محسن، شہیدی بریلوی کا مجموعہ کلام، بیدم وارثی کا دیوان، کافی مرادآبادی کا ذخیرہ نعت اور حافظ پیلی بھیتی کے نغمات آج بھی باصرہ افروز و فردوس گوش ہیں۔ برِ صغیر پاک و ہند کی فضائے شعر و ادب ان نغماتِ نعت سے گونج رہی ہے اور ان بزرگوں نے اس مبارک فن کو بامِ عروج پر پہنچانے میں بڑی محنت کی ہے۔



کلامِ رضاؔ کی خصوصیات

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ اُردو کی نعتیہ شاعری میں درجۂ امامت حاصل ہے بلکہ فارسی اور عربی میں بھی، اس لئے میرے جیسے تہی دست اور کوتاہ علم کے لئے اُن کے فنی کمالات اور ادبی وشعری گلکاریوں کا احاطہ کر لینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے تاہم اپنی بساط کے مطابق سرِ دست بعض فنّی و معنوی کمالات کا ذکر کر کے بارگاہِ رضویت میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

① نعت گوئی اور پاسِ شریعت

جس طرح عبادات کے لئے کچھ آداب مقرر ہیں اسی طرح نعت گوئی کے لئے بھی کچھ توانین ہیں، جو اتنے سخت ہیں کہ اُن کی حدود میں رہ کر نعت کہنا بڑے دل گُردے کا کام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی کا حقیقی شعور توفیقِ ایزدی ہی سے نصیب ہوتا ہے۔ جملہ اصنافِ سخن میں نعت ہی ایسی صنف ہے جو انتہائی دشوار اور مشکل ہے۔ اس میدان میں بڑے بڑے ہوشمند ٹھوکریں کھاتے دیکھے ہیں۔ رنگِ مجاز میں آپ آزاد ہیں لیکن نعت کے تقاضوں کو وہی پورا کر سکتا ہے جس کا دل سرکارِ مدینہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حقیقی اور سچی محبت سے سرشار ہو اور اس کے ساتھ علمِ شریعت سے بھی دل پوری طرح باخبر ہو ـــــ جو دیوانوں کی طرح سوچے اور

ہوشمندوں کی طرح لکھے۔ یہ ایک ایسا گلستان ہے جس میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہیں، جن سے ایک کاملِ فن ہی دامن بچا کر پھول چُن سکتا ہے۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ نعت گوئی کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے، اگر بڑھتا ہے تو اُلوہیت میں پہنچ جاتا ہے، اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔" [1]

سرکارِ اعلیحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے مذکورہ قول کی اُس وقت پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے جب ہمیں گلزارِ نعت میں ماہر گُل چینوں کے دامن بھی کانٹوں میں اُلجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضرت محسنؔ کاکوروی نے سراپائے مُبارک لکھا، جسے خوب شہرت حاصل ہوئی، اُس کا یہ آخری شعر ملاحظہ فرمائیے :۔

> مفت حاصل ہے، مگر اِس کی یہ تدبیر نہیں
> کھوٹے داموں بکے، یوسفؑ کی یہ تصویر نہیں

بلحاظِ فن یہ شعر آسمان کی بلندیوں کو چھُو رہا ہے لیکن شرعی نقطۂ نگاہ سے دیکھئے تو مصرعۂ ثانی سے ایک اولوالعزم نبی کی توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے ——— حضرتِ محسنؔ تمنا کرتے ہیں کہ کاش! اِس سراپائے مُبارک کو بروزِ حشر بارگاہِ ربوبیّت میں پیش کروں۔ باری تعالےٰ اس کے بدلے میں حور و قصور عطا فرمائے تو دست بستہ عرض کروں، الٰہ العالمین! یہ مفت پیش کر سکتا ہوں لیکن حور و قصور اِس کا بدل نہیں، کیوں کہ یہ یوسف علیہ السلام کی تصویر نہیں کہ کھوٹے داموں بیچ دی جائے ——— ایک اور قصیدے کا شعر ہے :۔

> الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامے کی
> بُرا معلوم ہو لفظِ احد میں میم احمد کا

---

[1] الملفوظ، حصّہ دوم، ص ۴۰

حضرت محسنؔ کاکوروی علیہ الرحمۃ کی شاعرانہ عظمت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ دونوں اشعار عالمِ استغراق یا جوشِ روانی میں سپردِ قلم ہوئے اور غیر شعوری طور پر ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا، حالاں کہ یہ وُہ نازک بارگاہ ہے کہ :۔

ع نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

مشہور شاعر جناب آطہر ہاپوری مرحوم نے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک نعت ارسال کی جس کا مطلع تھا :۔

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے برہم ہوکر فرمایا، مصرعہ ثانی منصبِ رسالت سے فروتر ہے۔ حبیبِ کبریا صلے اللہ علیہ وسلّم کو لیلےٰ سے، گنبدِ خضرا کو خیمہ لیلیٰ سے تشبیہ دینا سخت بے ادبی ہے اور یوں قلم برداشتہ اصلاح فرمائی :۔

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلےٰ کے سامنے

ایک صاحب نے بارگاہِ اعلیٰحضرت میں حاضر ہوکر اپنے نعتیہ اشعار سُنانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، میں اپنے چھوٹے بھائی حسن میاں یا حضرت کافی مرادآبادی کا کلام سنتا ہوں (اس لئے کہ ان کا کلام میزانِ شریعت میں تُلا ہوُا ہوتا ہے) اگرچہ حضرت کافی کے یہاں لفظ رُعنا کا استعمال بھی موجود ہے، اگر وہ اپنی اسی غلطی پر آگاہ ہو جاتے تو یقیناً اِس لفظ کو بدل دیتے۔ پھر خیالِ خاطرِ احباب کے پیشِ نظر اُن صاحب کو کلام سُنانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اُن کا ایک مصرعہ یہ تھا :۔

شانِ یوسف جو گھٹی ہے تو اِسی در سے گھٹی

آپ نے فوڑا شاعرِ موصوف کو روک دیا اور فرمایا :۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی نبی کی شان گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ انبیاء کرام کی عظمت و بزرگی میں چار چاند لگانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ مصرعہ یُوں بدل دیا جائے :۔

شانِ یوسفؑ جو بڑھی ہے تو اِسی دَر سے بڑھی

آدابِ نعت گوئی اور اس کے شعور و عرفان کے ساتھ فاضلِ بریلوی کی تنظر کی گہرائی کی داد دیجئے کہ معمولی سی شرعی لغزش بھی آپ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی اور پھر مصرعوں کی تبدیلی سے مضمون کس قدر جاندار ہو گیا ہے ——— حقیقتاً آپ کی یہ باریک بینی اور نظر کی گہرائی اُن خُداداد صلاحیتوں میں سے ایک ہے جن کی بناء پر علمائے عرب و عجم نے آپ کو مجدد اور امام زمانہ تسلیم کیا تھا ——— جو ذاتِ گرامی صرف تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں جملہ علوم عقلی و نقلی میں ماہرانہ استعداد کی سند لے کر مسندِ اِفتا پر جلوہ افروز ہو اُس کے تبحر علمی پر ذہانت و فطانت جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

جب ہم آپ کی پہلو دار شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو موجودہ صدی کی سر برآوردہ علمی شخصیتوں میں آپ کا قد و قامت سب سے بلند نظر آتا ہے اور آپ کا مقامِ فضیلت سب سے مرتفع۔ آپ بیک وقت ایک متبحر عالم، مفسر، محدث، فقیہ، مفکر، فلاسفر، خطیب، اُردو کے بلند پایہ ادیب اور نعت گوئی میں منفرد حیثیت کے شاعر تھے۔ مختلف علوم و فنون پر کم و بیش ایک ہزار تصانیف آپ کی رفعتِ علم، بلندیٔ فضیلت، عُلوِ فن، اور قدرت و مہارت کی آئینہ دار ہیں۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا کوئی تشنگی باقی نہ چھوڑی۔ جس عنوان کو اپنایا اُس کا گوشہ گوشہ منور کر دیا۔ نثر کی جانب چلے تو ایسے لعل و جواہر بکھیرے کہ عروسِ نثر کو کبھی تہی دامنی کا شکوہ نہ ہوگا۔ شاعری کی طرف آئے تو وہ گُل بوٹے کھلائے کہ تا قطورہ نظم کو ہمیشہ کے لئے بہشت بداماں بنا دیا۔

فاضلِ بریلوی کے عہد پر نظر ڈالیں اور ذرا پیچھے کی طرف جھانک کر دیکھیں تو تاریخ کے صفحات پر بڑے بڑے نعت گو شعراء نظر آتے ہیں۔ شہیدِ تحریکِ آزادی، حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی، خواجہ میر درد، مولانا شاہ عبدالقادر فقیر قادری بدایونی، حضرت علی احمد امیر بدایونی تلمیذ غالب دہلوی وغیرہم اور آپ کے معاصرین میں مفتی امیر احمد امیر مینائی محسن کاکوروی، بیان یزدانی، اکبر وارثی، اور حسن بریلوی وغیرہم (رحمۃ اللہ علیہ) یہ سب اُردو نعت کے آفتاب و ماہتاب ہیں اور اِن کا شمار اساتذہ نعت میں ہوتا ہے۔ اِن کے کمال

نعت گوئی نے اِس فنِ مبارک کو اُردو ادب میں ایک خاص مقام دلوایا اور اِس میدان میں انہوں نے جو سرگرمی دکھائی اُس کی بدولت آج یہ فن زندہ ہے ۔

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ اور آپ کے معاصرین کے کلام میں جو نمایاں فرق ہے وُہ سچا عشقِ رسولؐ ہے ، جس نے آپ کو اُن تمام سے ممیّز و ممتاز کر دیا ہے ۔ آپ کے ہر شعر میں اس کی نُورانیت نظر آتی ہے ۔ یہی وہ شمع ہے جس کی روشنی میں آپ اُن تمام مشکل ترین منزلوں کو بھی بآسانی طے کرتے چلے گئے جہاں بڑے بڑے علماء و شعراء کے قدم ڈگمگانے لگے اور بعض ٹھوکریں کھاتے دیکھے گئے ——— اِس روشنی سے نہ صرف آپ ہی کا دانش کدہ منوّر ہے بلکہ آپ نے اِس کی شعاعوں سے ہند و پاک کی فضائے شعر و حکمت میں ایسا چراغاں کیا ہے جو ہمیشہ روشن رہے گا اور جس کے اُجالے میں مستقبل کا جویائے راہ سلامت روی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود پالے گا ۔

آپ کا مجموعۂ نعت حدائقِ بخشش نہ صرف عشقِ حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعتِ حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتابِ عرب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں ، جو آنکھوں کے راستے دِل میں اُتر کر کائناتِ حیات کو منوّر کر دیتی ہیں ۔ سوز و درد اور جذب و اثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوئے حبیب کی حدیثِ عشق سُنا رہے ہیں ۔ یہ خصوصیت یہ اندازِ بیاں ، یہ سلیقۂ نعت آپ کے علاوہ اور کِسی کے یہاں نظر نہیں آتا ۔ آپ نے الفاظ میں عشقِ حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پَرت پَرت کھولتے چلے جائیے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی ۔

اِس میدان میں بڑے بڑے نعت گو اساتذہ کے قدم ڈگمگا گئے ہیں اور اِس کسوٹی پر کوئی بھی پورا نہیں اُتر سکا ہے ، حالاں کہ اساتذۂ نعت میں وہ بھی ہیں جو شاعر ہونے کے علاوہ عالم و مفتی بھی تھے ۔ چند شعراء کا نمونۂ کلام پیش کیا جاتا ہے ——— بانیٔ مدرسۂ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے جسے سرخیلِ عُلمائے دیو بند ، مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے خطبات میں تحریر کیا ہے :۔

گرفت ہوگی مجھے ایک بندہ کہنے پر
جو ہو سکے بھی خدائی تو اِک ترا انکار

موصوف کے نزدیک طُور پر جو تجلّی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دیکھی تھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا جلوہ تھا اور لَنْ تَرَانِیْ بھی حضور ہی نے کہا تھا (گویا نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کے پردے میں خُود ہی لَنْ تَرَانِیْ گو تھے)۔ یہ عقیدۂ توحید کے بالکل منافی ہے۔ یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:۔

طُور وہ روضہ ہے، میں صورتِ موسیٰ لیکن
اَرِنِیْ مُنہ سے نکالوں جو مزار آئے نظر [1]

اُن کے نزدیک روضۂ رسول کو وطُور ہے، آپ وہ بصورتِ موسیٰ علیہ السلام ہیں اگر انہیں روضۂ اطہر نظر آجائے تو وہ ربِّ اَرِنِیْ کہنے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب قرار دینا نعت گوئی نہیں ہے بلکہ منصب نعت گوئی سے بھٹک جانا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:۔

پاک تھی رنگِ دورنگی سے وہ خلوت گہہ خاص
وہی شیشہ، وہی مے خوار تھا معراج کی شب [2]

قابَ قوسَین کی خلوت گاہِ خاص میں دُو نہ تھے بلکہ صرف ایک ہی ذات تھی، وہی ذات شراب کی بوتل اور وہی شراب پینے والی تھی۔ امیر مینائی صاحب کا وہی سے خُدا کی طرف اشارہ ہے یا حبیبِ خُدا کی جانب، یہ خُدا ہی بہتر جانتا ہے۔ خُدا کو رسولِ خُدا کا منصب دینا یا رسولِ مُحمد کو خُدا کے مقام پر فائز کرنا یا دونوں کو ایک قرار دینا، ساری صورتیں ہی قابلِ اعتراض ہیں نیز خُدا اور حبیبِ خُدا کو شیشہ و شراب و میخوار جیسے الفاظ سے تشبیہ دینا کوئی اچھی جسارت نہیں۔ ایک اور شعر ہے:۔

اللہ بخش دے جو وہ شیطان کے ہوں شفیع
ہم مجرموں کے جرم تو ہیں کس حساب [3] میں

اِسی طرح کا ایک شعر اور ملاحظہ ہو:۔

آیا خیالِ انجمنِ لامکاں ہمیں
دیکھے کبھی جو عاشق و معشوق ڈاب میں [4]

---

[1] مجاہد خاتم النبیین: ص ۴۹ [2] ایضاً ص: ۳۹ [3] ایضاً ص: ۶۵ [4] ایضاً: ۶۵

اِس شعر کا معرعِ ثانی مبتذل ہے۔ انجمنِ لامکان و بزمِ اسریٰ میں خُدا اور حبیبِ خُدا کی ملاقات کہاں اور دُنیاوی عاشق و معشوق اور اُن کا ڈاب کہاں ۔ مندرجہ بالا دونوں اشعار کا مضمون و تخیل مبنی بر تضحیک و ابتذال ہے جو نعت کے لئے قطعاً نامناسب اور خلافِ ادب ہے۔ مشہور نعت گو شاعر، حضرت حافظ پیلی بھیتی کا شمار بھی اساتذۂ نعت میں ہوتا ہے، ذرا اُن کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے :۔

وُہی جو مستویٔ عرش تھا خُدا ہو کر
اُتر گیا ہے، مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

جو ذات عرشِ معلیٰ پر خُدا کے نام سے مُستوی تھی اَب وہ مُصطفےٰ کا نام اختیار کر کے مدینے میں تشریف لے آئی ہے۔ موصوف کا یہ تخیل ہی کونسا کم قابلِ اعتراض ہے لیکن لفظ تھا کے تیور تو ملاحظہ ہوں ——— بات کہاں پہنچی کہ اَب وہاں خُدا نام کی کوئی ذات نہیں ہے، جو ذات کبھی تھی وہ عرصہ ہوا مدینے میں مُصطفےٰ بن کر اُتر آئی ہے (نعوذباللہ)۔ حضرت حافظ پیلی بھیتی بھی نعت گوئی کے پلصراط سے سلامت روی کے ساتھ پار نہ ہو سکے۔ حبیبِ خُدا کو خُدا کے منصب پر بٹھانا نعت گوئی نہیں بلکہ بھٹکنا ہے۔

کونسا پڑھا لکھا سنّی ہے جس نے بلبلِ باغِ مدینہ، عاشقِ رسول، حضرت کرامت علی شہیدی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہ سُنا ہو گا۔ اُن کا مندرجہ ذیل شعر پاک و ہند کے بچّے بچّے کی زبان پر آج بھی جاری ہے :۔

تمنّا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقیّد کا

مگر فردوسِ نعت کی سیر کرتے ہوئے لاشعوری طور پر وُہ بھی کانٹوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔ چنانچہ اسی نعت شریف کا ایک شعر یہ بھی ہے :۔

خُدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کِس محبّت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمّد کا

یہ شعر یوں تو محبّتِ سرکارِ مدینہ کے عطر میں ڈوبا ہُوا ہے اور ہر لفظ سے شہیدی رحمۃ اللہ علیہ

کی محبت و عقیدت کا جام چھلکتا ہوا نظر آ رہا ہے لیکن منہ چومنا، بوسہ دینا، انسانی فعل ہے جس سے ذاتِ باری تعالیٰ پاک اور منزہ ہے ــــــ حضرت بیدم وارثی کا یہ شعر ملاحظہ ہو: ۔

عشق کی ابتدا بھی تم ، حسن کی انتہا بھی تم
رہنے دو راز کھل گیا ، بندے بھی تم خدا بھی تم

موصوف نعت گوئی کی حد سے کتنے پرے نکل گئے ہیں۔ غرضیکہ امیر مینائی، محسن کاکوروی حافظ پیلی بھیتی اور شہیدی بریلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اُردو نعت کے اساتذہ فن ہیں، جن کی خدمات تاریخ نعت گوئی ہرگز فراموش نہیں کر سکے گی۔ اِن حضرات کے خلوصِ نیت اور جذبۂ عقیدت پر کوئی کوتاہ بیں اور تنگ نظر ہی شک کرے گا۔ اگر اِن حضرات کو اپنی شرعی لغزشوں پر آگاہی ہو جاتی تو یقیناً وہ اِس قسم کے اشعار کو بدل دیتے اور آئندہ کے لیے محتاط ہو جاتے۔

موجودہ دور کے نعت گو شعرا میں سے صرف جناب اعظم چشتی صاحب کے چند اشعار پیش کرتا ہوں، جن کا نعتیہ کلام ملک کے مقبول اور کثیر الاشاعت رسائل و جرائد کی زینت بنتا رہتا ہے اور ریڈیو پاکستان سے بھی اکثر فردوس گوش ہوتا رہتا ہے۔ بہت اچھی نعتیں لکھتے ہیں، پڑھتے بھی خوب ہیں۔ آواز پاٹ دار اور گلے میں قدرتی سوز ہے۔ پڑھتے وقت مجسم شعر بن جاتے ہیں۔ نوجوان شاعر ہیں، تاریخ نعت گوئی کو اِن سے مستقبل میں کافی توقعات ہیں جناب کوثر نیازی نے اُن کے مجموعۂ کلام پر دیباچہ لکھتے ہوئے موصوف کو نعت خوانِ اعظم کہا ہے۔ دیباچے میں ایک جگہ لکھا ہے: ۔

"وہ نعت کے لئے غزل کا پیرایہ استعمال کرتا ہے مگر شریعت کا مزاج برہم نہیں ہوتا۔" [1]

مگر جہاں تک احقر نے اُن کے کلام کا مطالعہ کیا ہے بعض جگہ موصوف کا قلم بھی شاہراہِ شریعت کو چھوڑ کر الوہیت کی حدود میں داخل ہو گیا ہے، جس سے شریعت کا مزاج تو کیا پورا نظامِ شریعت ہی درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ موصوف کا یہ شعر ملاحظہ ہو: ۔

انسانیت کو بخشی وہ معراج آپ نے
ہر آدمی سمجھنے لگا ہے، خدا ہوں میں [2]

---

[1] نیرِ اعظم، ص ۴۱

موصوف کے نزدیک سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسانیت کو جہالت اور بت پرستی کی پستی سے اُٹھا کر اعلیٰ اخلاق کا درس دے کر وہ عروج بخشا کر ہر آدمی اپنے آپکو خدا سمجھنے لگ گیا ہے ——— نبی اکرم، ہادی اعظم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمِ انسانیت کو توحید کا سبق دینے اور سب کو ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھکانے کے لئے تشریف لائے تھے نہ کہ نعوذ باللہ انسانوں کو خدا بنانے کے لئے۔ ایک انسان شرفِ انسانیت سے کتنا ہی مشرف کیوں نہ ہو جائے، کتنا ہی عروج کیوں نہ پالے لیکن اتنی ترقی ہرگز نہیں کر سکتا کہ وہ خدا ہو جائے۔ بندوں کو خدا سمجھنا انسانیت کا تنزل تو ہے معراج ہرگز نہیں

ایک اور شعر ہے :۔

عبد و معبود میں ہے نسبتِ تام
ہے محمد بھی احمدِ بے میم[1]

موصوف کے نزدیک بندے اور خدا میں اس درجہ مکمل نسبت ہے کہ باہمی تعلق و نسبت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے میم کے احمد یعنی اَحَد (خدا) ہیں۔ (استغفر اللہ)۔ مزید لکھا ہے :

عقل کہتی ہے مِثْلُنَا کہئے
عشق بیتاب ہے خدا کہئے[2]

مفہوم ظاہر ہے۔ نہ جانے اعظم صاحب اپنے اشعار میں لفظِ خدا کن معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مزید ملاحظہ ہو :۔

نہاں تا بود در پردہ، خدا بود
چوں ظاہر شد، محمد مصطفیٰ بود[3]

اعظم چشتی صاحب کے نزدیک وہ جب تک پردے میں تھا تو اُس کا نام خدا تھا اور جب پردے سے ظاہر ہؤا تو محمد مصطفیٰ بن گیا۔ یہ شعر حافظ پیلی بھیتی کے اُردو شعر کا فارسی ترجمہ

---

[1] نیرِ اعظم، ص ۵۷ [2] ایضاً: ص ۶۱ [3] ایضاً: ص ۶۶

جو پیچھے مذکور ہوا۔ یہ بھی لکھا ہے :۔

آگئی سامنے آنکھوں کے اللہ کی صورت
آئے سرکار جو اللہ کی بُرہاں بن کر [1]

یعنی اُن کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ایسی روشن دلیل بن کر تشریف لائے کہ خدا کی صورت ہی سامنے آگئی ——— کیا خدا کی بھی شکل و صورت ہے ؟ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے کہ میری صورت خدا جیسی ہے یا میں خدا کا ہم شبیہ ہوں ؟ ———
یہ شعر بھی قابلِ غور ہے :۔

خالقِ عرش ، سرِ عرش ، بہ صد رعنائی
جلوہ فرما ہے بہ اندازِ دگر آج کی رات [2]

موصوف کے نزدیک اللہ رب العزت معراج کی رات میں تمام رعنائیوں کے ساتھ کسی دوسرے ہی انداز میں سرِ عرش جلوہ افروز تھا ——— لفظ رعنائی خالقِ عرش کے لئے غور طلب ہے جب کہ علمائے کرام نے حبیبِ خدا کے لئے بھی اِس لفظ کا استعمال منع فرمایا ہے۔ غور طلب ہے کہ اُس بے نیاز کو رعنائیوں کی ضرورت ہی کیا ؟ کیا پہلے وہاں کسی چیز کی کمی ہے ؟ بننے سنورنے اور آرائشِ حُسن و زیب و زینت کی احتیاج انسان کو ضرور ہے لیکن وہ بے نیاز تو نُور ہی نُور ہے جس میں نہ کمی ممکن نہ زیادتی ۔

خود میرے نانا جان ، حضرت مولانا حافظ سید راحت علی صاحب علیہ الرحمۃ جو اپنے دَور کے جیّد عالم تھے اور جو دھپور کے جیّد علماء میں جن کا شمار تھا اور جن کی نظر علوم شرعیہ میں بڑی گہری تھی ، وہ بھی اسی طرح بھٹک گئے تھے ۔ چنانچہ موصوف کا ایک شعر ہے :۔

مدینہ سرورِ ہر دو جہاں ہے
زبان اللہ کی ، میری زبان ہے

اِس شعر میں دو شرعی گرفت ہیں ۔ ایک تو ذاتِ باری تعالیٰ کی زبان بتانا ، حالاں کہ وہ زبان سے پاک ہے ۔ دوسرے اپنی زبان کو زبانِ قدرت سے تشبیہ دینا اور مدحت نگاری میں ہمسری کا

---

[1] نیرِ اعظم : ص ۴۴ [2] ایضاً : ص ۴۵

دعوے ـــــــ مندرجہ بالا تحریر و تنقید سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ میدانِ نعت گوئی میں بڑے بڑے شہسوار ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ اِس پل صراط سے سلامتی کے ساتھ گزر جانا ہر کسی کا کام نہیں۔

حاشا للہ! مندرجہ بالا اشعار پیش کرنے سے میرا مقصد ہرگز اُن حضرات کو نشانۂ تنقید بنانا نہیں ہے اور نہ یہ میرا منصب ہے ـــــــ لیکن یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گلستانِ نعت کی چمن آرائی و چمن بندی میں ان بزرگوں کے دامانِ شاعری بھی کانٹوں میں اُلجھ جانے کی وجہ سے دریدہ نظر آتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں، مظہرِ کامل ہیں، سراپا نور ہیں، خُدا کی عطا سے مالکِ خزائن اللہ اور قاسمِ نعمتِ الٰہیہ ہیں، خیرالبشر اور افضل الخلائق ہیں، بعطائے الٰہی دانائے غیوب ہیں، باعثِ ایجادِ خلق ہیں، بعد از خُدا سب سے بزرگ و برتر ہیں لیکن خُدا ہرگز نہیں بلکہ خُدا کے بندے اور سب سے برگزیدہ رسول ہیں۔

نعت میں مبالغہ جائز سہی مگر اس حد تک بھی نہیں کہ فرقِ مراتب کی تمام حدود پامال ہو جائیں اور عبد و معبود میں کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہے ـــــــ پھر یہاں مبالغے کی ضرورت کیا جب کہ ممدوحِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا روشن حقیقت ہیں۔ آپ کا ہر وصف مبنی بر صداقت اور آپ کی ادا جیتی جاگتی سچائی ہے۔ یہاں مبالغے کا سہارا لینا آخر کس غرض سے؟

اِس کے برعکس جب آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کریں گے تو یہاں ہرگز اِس قسم کی آلودگی نہ ملے گی۔ آپ کا کلام افراط و تفریط سے پاک اور مبالغہ آرائی سے مبرّا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق ایسے سلیقے سے آراستہ کیا ہے کہ شاعرانہ عظمت کی تصویر منہ سے بول رہی ہے۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جو آپ کو نعت گو اساتذہ میں منفرد مقام دلواتی ہیں۔ آپ نے گلستانِ نعت کو ایک ماہرِ فن باغبان کی حیثیت سے اور اُس میں رنگا رنگ گل بوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جن کی شگفتگی اور تازگی میں جمالِ مصطفوی کا شباب و نکھار اور عشقِ حبیب کی ابدی خوشبو اور بہار ہے۔

۲ حُسنِ تغزّل

اپنے معاصرین اور اُردو کے دیگر نعت گو شعراء میں فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کو جو امتیازی مقام حاصل ہے اُس کی پہلی وجہ تو عشقِ رسولؐ ہے جس میں آپ سرتاپا ڈوبے ہوئے تھے اور دوسری وجہ علومِ شرعیہ میں آپ کا تبحر ہے۔ اِن دونوں کے امتزاج اور اِن کے ساتھ سوز و گداز، شدّتِ احساس و خلوصِ جذبات کی ہم آہنگی نے آپ کے کلام میں حسنِ تغزّل پیدا کر دیا ہے۔ کلام کا یہ بانکپن وہ پاکیزہ معیار ہے جو آپ سے پہلے کسی نعت گو شاعر کے یہاں نہیں ملے گا آپ وُہ پہلے شاعر ہیں جس نے اِس حُسنِ اہتمام کے ساتھ غزل کو نیا روپ دیا، ورنہ بعض غزل گو شعراء نے اس صنف کا پیراہنِ ادب پارہ پارہ کر کے اِسے بازارِ سخن میں عریاں کر دیا تھا۔

آپ نے اِس عروسِ سخن کو مجازی محبوب کی دہلیز سے اُٹھایا، نعت کا پاکیزہ لباس پہنایا، عشقِ حبیب کے مقدس زیور سے آراستہ کیا اور حقیقی محبوب یعنی محبوبِ خُدا کی چوکھٹ پر پہنچا کر، زندۂ جاوید بنا کر اسے اُس کے حقیقی مقام پر پہنچا دیا۔ یہاں اُن ناقدینِ سخن کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ نعت گو کا مقام غزل گو سے کم ہے۔

غزل اُس وقت تک لطف و اثر سے خالی ہوتی ہے جب تک قلب و رُوح آشنائے درد نہ ہوں۔ آپ کے کلام میں اس کی فراوانی ہے اور پوری شاعری اِسی نقطہ کے گرد گردش کر رہی ہے۔ آپ کی زندگی کا محور عشقِ رسولؐ ہے اور یہی آپ کے کلام کی اساس ہے۔ ہر شعر میں یہ رنگ نمایاں ہے اور ہر نعت آپ کے پاکیزہ جذبات کی عکاس ہے۔ آپ کی یہ عقیدت رسمی یا رواجی نہیں بلکہ جوشِ محبت اور شدّتِ تعلق کے باعث اپنا مستقل وجود رکھتی ہے۔ اِس کی باقاعدہ بنیادیں ہیں یعنی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا اور ایک ایک سنّت پر عمل۔ آپ کے پاکیزہ جذبات اور عمل و کردار سے جو حُسنِ تغزّل پیدا ہوا ہے اُس کی شعاعوں سے کلامِ رضا کی پوری کائنات منوّر ہے، جگمگا رہی ہے۔ قارئین کے حضور جناب

مقبول جہانگیر صاحب کے لفظوں میں ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، جس کی روشنی میں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے مقامِ عشق و محبت اور بلندیٔ کردار و عمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے :۔

یہ کہاروں نے پالکی اُٹھائی اور آگے پیچھے نیاز مندوں کی بھیڑ چل رہی ہے۔ پالکی لے کر تھوڑی دُور چلے ہیں کہ یکایک امام اہلسنّت کی آواز سنائی دیتی ہے، پالکی روک دو۔ حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی۔ ہمراہ چلنے والا مجمع بھی رُک گیا۔ حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے، کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا، آپ لوگوں میں کوئی آلِ رسولؐ تو نہیں ؟ اپنے جدّ امجد کا واسطہ سچ بتائیے ؟ میرے ایمان کا ذوقِ لطیف تنِ جاناں کی خوشبو محسوس کر رہا ہے" ——— اس سوال پر کہاروں میں سے ایک کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ چہرے پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں اُبھر آئیں۔ بینوائی آشفتہ حالی اور گردشِ ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اُس کے انگ انگ سے آشکار تھے۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے دبی زبان سے کہا :۔ "مزدور سے کام لیا جاتا ہے ذات نہیں پوچھی جاتی ۔ آہ! آپ نے میرے جدِّ اعلیٰ کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا ۔ سمجھ لیجئے میں اُسی چمن کا ایک مرجھایا ہوا پھول ہوں جسکی خوشبو سے آپکی مشامِ جان معطّر ہے۔ رگوں کا خون بدل نہیں سکتا، اِس لئے آلِ رسول ہونے سے انکار نہیں لیکن اپنی خانہ برباد زندگی کو دیکھتے ہوئے، یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چند مہینے پہلے آپ کے شہر میں آیا ہوں۔ کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اُسے ذریعہ معاش بناؤں۔ پالکی اُٹھانے والوں سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ ہر روز سویرے اِن کے گروہ میں آن کر بیٹھ جاتا اور شام کو اپنے حِصّہ کی مزدوری لے کر بال بچوں میں لوٹ جاتا ہوں ——— ابھی مزدور کی بات تمام بھی نہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالمِ اسلام کے ایک مقتدر

امام کی دستار اُس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔ ـــــــ معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کر دو، لاعلمی میں خطا سرزد ہوگئی ہے۔ ہائے غضب ہوگیا، جن کے کفشِ پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے اُن کے کاندھے پر میں نے سواری کی ہے۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار نے پوچھ لیا کہ احمد رضا! کیا میرے فرزند کا دوشِ نازک اِس لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اُٹھائے تو میں کیا جواب دوں گا۔ اُس وقت بھرے میدانِ حشر میں میرے ناموسِ عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہوگی۔ آہ اِس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔ ـــــــ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے، اِس انداز میں وقت کا یہ عظیم المرتبت امام اُس سید زادے مزدور کی منت سماجت کر رہا ہے اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی نازبرداریوں کا یہ رقت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں ـــــــ کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امام اہلسنت نے ایک آخری التجائے شوق پیش کی:۔ چونکہ راہِ عشق میں خونِ جگر سے زیادہ وجاہت وناموس کی قربانی عزیز ہے، اس لئے لاشعور کی ایک تقصیر کا کفارہ تو جبھی ہوگا کہ تم پالکی میں بیٹھو اور میں اُسے اپنے کندھے پر اٹھاؤں ـــــــ اِس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل ہل گئے ہیں۔ وفورِ اثر سے فضا میں چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادے کو عشقِ جنوں خیز کی ضد پوری کرنی پڑی، یہ منظر کس قدر دل گداز ہے۔ اہلسنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم وفضل، جبہ ودستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودئ حبیب کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہا ہے ـــــــ شوکتِ عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھر دل بھی پگھل گئے ہیں۔ کدورتوں کا غبار چھٹ رہا ہے۔ غفلتوں کی آنکھ کھل گئی ہے اور دشمنوں کو بھی مان لینا پڑا

ہے کہ آلِ رسول کے ساتھ احمد رضا بریلوی کے دل کی عقیدت و اخلاص کا جب یہ عالم ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے وارفتگی و محبت کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟" [1]

جس کی حیات اِس قدر بیدار ہوں کہ تیرہ سو سال بعد نسلِ حبیب سے تعلق رکھنے والے شہزادے کے جسم کی خوشبو سے بوئے رسالت محسوس کرے اُس کے چشمۂ حیات سے اُبلنے والے نغمات میں روحِ بلالی کی تڑپ کیوں نہ ہو؟ آپ سرتاپا عشق و عمل کی شراب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن قدم ڈگمگاتے نہیں۔ پیئے ہوئے ہیں مگر بہکتے نہیں۔ جوش ہے مگر ہوش کے ساتھ۔ دل و روح مکیف ہیں مگر عقل ہوشیار ہے۔ جو قدم اُٹھا منزلِ جاناں کی طرف۔ جب پاؤں پڑا شاہراہِ شریعت پر۔ دیوانے کی طرح رواں دواں ہیں مگر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ سراپا مدہوش ہیں مگر آپ کا قلم جاگ رہا ہے ——— آپ کے کلام میں بھی آپ کا یہی جنونِ بیدار کارفرما ہے، جو تغزل کی جان ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:۔

اَب تو اِس دَر پہ سجدہ ہو کہ طواف — ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

طیبہ نہ سہی افضل، مکہ ہی بڑا زاہد — ہم عشق کے بندے ہیں کیا بات بڑھائی ہے

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر — چلی نسیم ہوئے بند دیدہائے فلک

واللہ جو مِل جائے مِرے گُل کا پسینہ — مانگے نہ کبھی عطر، نہ پھر چاہے دُلہن پھول

ہیں عکسِ چہرہ سے لبِ گلگوں میں سرخیاں — ڈوبا ہے بدرِ گُل سے شفق میں ہلالِ گُل

دیکھا تھا خوابِ خارِ حرم عندلیب نے — کھٹکا کیا ہے آنکھ میں شب بھر خیالِ گُل

پھر کس منہ سے جلوہ داری جاناں کرتا — سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

شوق روکے نہ رُکے، پاؤں اُٹھائے نہ اُٹھے — کیسی مشکل میں ہیں اللہ تمنائی دوست

یادِ رُخ میں آہیں کر کے، بن میں رویا، آئی بہار
جھومیں نسیمیں، نیساں برسا، کلیاں چٹکیں، مہکی شاخ

---

[1] سالنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور، بابت اپریل ۱۹۷۶ء: ص ۴۴، ۴۳

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم — دن ڈھلا، ہوتے نہیں ہشیار ہم
ہمت اے ضعف! اُنکے در پر گر کے ہوں — بے تکلف سایۂ دیوار ہم
ناتوانی کا بھلا ہو، بن گئے! — نقشِ پائے طالبانِ یار ہم

دل بستہ، بے قرار، جگر چاک، اشکبار — غنچہ ہوں، گُل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے — اندھیری رات سُنی تھی، چراغ لے کے چلے

بگڑی ہے گلی کیسی، بگڑی ہے بنی کیسی! — پوچھے کوئی یہ صدمہ، ارمان بھرے دل سے

سب طبیبوں نے دے دیا ہے جواب — آہ عیسیٰ! اگر دوا نہ کرے!

سلام اور معراج جیسے مشکل موضوعات میں بھی تغزل کا ویسا ہی رچاؤ ہے جیسا نعت میں۔ ذرا قصیدہ معراجیہ کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں:

نقاب اُلٹے وہ مہرِ انور، جلالِ رخسار گرمیوں پر!
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی، تپکتے انجم کے آبلے تھے
خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم، دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

کچھ اشعار آپ کے مشہور زمانہ سلام سے بھی ملاحظہ فرمائیے :-

جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا — اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں — اُس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام

لخت لختِ دلِ ہر جگر چاک سے — شانہ کرنے کی عادت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گُلِ قدس کی پتیاں — اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

آپ کے اِس رنگِ تغزل کو آپ کے بعد آنے والے نعت گو شعراء نے بھی اختیار کیا، جن میں شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبالؔ، لسان الحسان، اُستاذی، علامہ ضیاء القادری بدایونی علیہ الرحمۃ اور زائرِ حرم، عاشقِ رسولِ اکرم، جناب بہزاد لکھنوی علیہ الرحمۃ قابلِ ذکر ہیں۔ دَورِ حاضر کے شعراء میں عزیز حاصل پوری (ملتان)، حافظ مظہر الدین مظہر (راولپنڈی)، حفیظ تائب (لاہور) اور قمر

یزدانی (پنوانہ ضلع سیالکوٹ، فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کے اس ایمان افروز شعری ادب کی کامیابی سے خدمات انجام دے رہے ہیں، اور ان کے نغمات سے پاکستان کی فضائیں گونج رہی ہیں
آج کے نعت گو شاعر کی نعت اُسی حسنِ تغزل کی آئینہ دار ہے جس کی بنیاد امامِ نعت گویاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے رکھی تھی۔ یہ جدید رنگ کچھ ایسا مقبول ہوا کہ غزل کے رسیا بھی نعتیں کہنے لگے ہیں اور یہ ایک بڑی خوش آئند رَو ہے۔ اکثر نوجوان شعراء بڑی خوبصورت نعتیں لکھ رہے ہیں، جن میں نہ صرف شاعری کے اعلیٰ نمونے ہوتے ہیں بلکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بے پناہ عقیدت کے اظہار کے ساتھ ساتھ موجودہ صدی کے خاص حالات و محسوسات کی ترجمانی بھی ہوتی ہیں ——— فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کی یہ کامیاب جدت اور حقیقی شعورِ نعت گوئی کو اُردو کا شعری اَدب کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

(۴) جدّتِ تخیّل

جدید غزل کے مُوجد، مرزا غالب دہلوی کا کلام جدّتِ تخیّل کا مرقع ہے اور اُن کی یہ جدّت پسندی ہی اپنے معاصرین میں انہیں منفرد و ممتاز مقام دلانے کا سبب بنی۔ فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کے یہاں جدّتِ تخیّل کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ نعت شریف میں جدّتِ تخیّل کو حسن و خوبی کے ساتھ استعمال کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اِس میدان میں قدم قدم پر پھسل جانے کا اندیشہ ہے۔ چونکہ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ اس پہلو سے بھی بڑے کامیاب رہے ہیں بایں اعتبار اگر انہیں نعت گوئی کا غالب کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ——— عموماً شعراء پھول کو آتشِ گل یا شعلۂ گل سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے فانی بدایونی کا یہ شعر ہے:۔

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب آگ لگا دے آگ
کہ بجلیوں کو میرا آشیاں نہیں ملتا

مگر فاضلِ بریلوی کی جدّتِ طبع تر دامنی سے آگ پیدا کر رہی ہے مثلاً:۔

آتشِ تر دامنی نے دِل کے کَیا کیا کباب ؛ خضر کی جاں ہو، جلا دو ماہیانِ سوختہ

سوختہ کے لحاظ سے جلادو کا ہم شبیہ لفظ جلادو لاکر جدت طبع کا ایک اور ثبوت دیا

اِسی طرح آگ سے آگ سلگتی تو ضرور ہے لیکن بجھتی یا ٹھنڈی ہوتی کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ امامِ نعت

گریاں کی جدتِ طبع ملاحظہ ہو کہ آپ نے آگ سے آگ کو ٹھنڈا کیا ہے :-

اے عشق ترے صدقے ، جلنے سے چھٹے سستے

جو آگ بجھا دے گی ، وہ آگ لگائی ہے

پھولوں کے ساتھ کانٹے ضرور ہوتے ہیں اور شمع کی لَو سے دھواں بھی اُٹھتا ہے - یہ

قدرتی اُمور ہیں، لیکن فاضلِ بریلوی ہمارے مشامِ ایمان کو ایک ایسے پھول سے معطر فرما رہے

ہیں جس کے ساتھ کانٹا قطعاً نہیں ہے اور ہماری بزمِ رُوح کو ایسی شمع سے منور کر رہے ہیں جو

دھوئیں کی کثافت سے پاک ہے ، چنانچہ لکھا ہے :-

وُہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

مالک اُسی کو کہا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں کچھ ہو، جس کے پاس ملکیت ہو مگر جس کے ہاتھ

ہی خالی ہو وہ کیسا مالک ؟ آیئے اعلٰحضرت کی جدتِ تخیل کے آئینے میں کائناتِ ارضی و سماوی

کی اُس ذاتِ گرامی کی زیارت کریئے جو اِدھر کونین کا مالک ہے ، دونوں جہاں کی نعمتوں کا

قاسم ہے لیکن اُدھر اُس کے ہاتھ بھی خالی ہیں۔ چنانچہ شعر ہے :-

مالکِ کونین ہیں ، گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

ایک نعت چار زبانوں میں کہی ہے یعنی اِس نعت کا ہر شعر عربی ، فارسی ، اُردو اور ہندی

چار زبانوں سے مرصع ہے۔ یہ نعت ہند و پاک کے اکثر پڑھے لکھوں کی زبان پر ہے ، جس سے

اس کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک عالم دین کی لکھی ہوئی یہ نعت اساتذۂ فن کو

حیرت زدہ کئے ہوئے ہے۔ اِس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سامع اور قاری کو روانی کے

لحاظ سے یہی محسوس ہوگا گویا ایک ہی زبان میں کہی گئی ہے۔ یہ نعت فاضلِ بریلوی کے علمی تبحر اور چار

زبانوں میں قادر الکلامی کے لحاظ سے آپ کا شعری شاہکار ہے۔ نمونۃً دو شعر ملاحظہ ہوں :-

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بیکس و طوفاں ہوش رُبا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

اشعار کے مضمون کا ہر فقرہ دوسرے سے کس قدر مربوط ہے اور چار زبانوں میں ہونے کے باوجود کسی شعر کے تسلسل میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیا۔ ہر مصرعہ مقفّٰی ہے اور خوبصورت الفاظ سے سجا ہوا ہے۔ پوری نعت میں موجِ رواں کا ترنم اور نسیم سحری کا تکلّم سمو دیا ہے۔ چار زبانوں میں اس اہتمام سے نعت کہنا فاضلِ بریلوی ہی کی جدتِ تخیل کا کام ہے۔

(۴) مضمون آفرینی و رعنائی خیال

مضمون آفرینی اور رعنائی خیال کے انوکھے نمونے بھی آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ آپ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے :۔

مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمرِ جاوید
زندہ چھوڑے گی نہ کسی کو مسیحائی دوست

مسیحا کا کام مُردوں کو زندہ کرنا ہے کیوں کہ مسیحائی زندگی بخشتی ہے۔ اس خیال کو اگرچہ بہت سے شعراء نے پیش کیا ہے لیکن اعلیٰحضرت نے یہاں بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو حضورؐ کے آستانے پر مرتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتا ہے، اُسے ابدی زندگی مل جاتی ہے چنانچہ ایسی زندگی بخش موت کے لئے کون اپنی جان نہ دے گا؟ دریں حالات دوست کی یہ مسیحائی کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ مصرعہ ثانی کی برجستگی تعریف سے بے نیاز ہے

۱۲۹۶ھ میں اعلیٰحضرت کو پہلی بار روضۂ اطہر کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ واپسی پر ایک درد انگیز غزل کہی، جس کا مطلع ہے :۔

؎ خراب حال کیا، دل کو پُر ملال کیا — تمہارے کوچہ سے رخصت نے کیا نہال کیا

اِسی غزل کا یہ پھڑکتا ہوا شعر ملاحظہ ہو :۔

وہ دِل کے خوں شدہ ارماں تھے جس میں ہل ڈالا
فغاں کے گورِ شہیداں کو پائیمال کیا

یعنی اے رخصتِ دیارِ حبیب! میرا دل پہلے ہی گورِ شہیداں تھا، جس میں میرے خوں شدہ ارمان سوئے ہوئے تھے، تو نے یہ کیا کیا کہ اب وہ اِس طرح اُجڑ گیا ہے جیسے ہل چلا کر زمین برابر کردی جاتی ہے۔ اَب تو یہ بالکل سنسان ہوگیا، کچھ بھی تو باقی نہ چھوڑا ـــــــ اور اِس شعر کا مضمون دیکھ کر رعنائی کی داد دیجیے :۔

پریشانی میں نام اُن کا دِلِ صد چاک سے نکلا
اجابت شانہ کرنے آئی گیسوئے توسّل کا

یہاں نام اور دِلِ صد چاک سے کتنا حسین مضمون پیدا کیا ہے۔ ـــــــ یہ شعر بھی ملاحظہ ہو :۔

میرے کریم! گنہ زہر سہی لیکن
کوئی تو شہدِ شفاعت چشیدہ ہونا تھا

شاعر عرض گزار ہے کہ اے کریم! یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ گناہ سراسر زہر ہے لیکن شفاعت شہد ہے۔ آخر اِس شہدِ شفاعت کو چکھنے یعنی شفاعت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بھی تو کوئی ہونا چاہیئے تھا ـــــــ ظاہر ہے کہ شفاعت گناہگاروں کی ہوگی۔ عذرِ گناہ کو یہاں اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

لفظ "ہرجائی" کو شعرائے غزل نے تو محبوب کے لئے اکثر استعمال کیا ہے لیکن نعت میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا، کیونکہ اس کے معنی ہیں :۔ بے وفا، بے مروّت، ہر جگہ آنے جانے والا وغیرہ ـــــــ مگر اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے نعت میں بھی اِسے استعمال کیا لیکن ایسے انداز سے کہ اس کی نوعیت ہی بدل گئی اور معنوی اعتبار سے یہ لفظ پاکیزہ بن گیا۔ ایک شعر ملاحظہ ہو :۔

حُسنِ بے پردہ کے پردے نے مِٹا رکھا ہے
ڈھونڈنے جائیں کہاں جلوۂ ہرجائی دوست

یعنی اُس کا حُسن بے پردہ ہے ۔۔ پھولوں میں اُس کا رنگ و بُو، تاروں میں اُس کی چمک دمک آفتاب و ماہتاب میں اُس کی ضیا پاشیاں اور ساری کائنات اُس کے ہجوم انوار میں گم ہے۔ اُس کی قدرت کی کرشمہ کاری اور جلوہ گری ہر جگہ ہے لیکن خود اُس کا حُسن کہیں نظر نہیں آتا۔ آخر اُسے کہاں تلاش کریں؟ اُس کی ہر تجلّی ایک حجاب بن گئی ہے۔ ہم ایسے جلوۂ ہرجائی (ہر جگہ پائے جانے والے جلوے) کو ڈھونڈنے کہاں جائیں؟ ہمیں تو اُس پردۂ حُسن کے نورانی پردے نے مشار کھا ہے ——— ایک غزل کا مقطع ہے :-

تنگ ٹھہری ہے رضاؔ جس کے لئے وسعت عرش
بس جگہ دل میں ہے اُس جلوۂ ہرجائی کی

یہاں بھی جلوۂ ہرجائی کتنا پاکیزہ مفہوم پیش کر رہا ہے ——— غرضیکہ مضمون آفرینی و رعنائی خیال کے بےشمار موتی آپ کی نعتوں میں جابجا بکھرے ہوئے ملیں گے۔ آپ نے اگر کوئی فرسودہ خیال بھی پیش کیا ہے تو ایسے اچھوتے انداز سے کہ اُس میں جان پڑ گئی ——— محبوب کی آمد کے انتظار میں آنکھیں فرشِ راہ کرنا، یہ ایسا خیال ہے جسے قریب قریب ہر شاعر نے باندھا ہے۔ اعلیٰحضرت نے اِس فرسودہ مضمون میں الفاظ سے جان ڈال کر اِسے رعنائی خیال کا مرقع بنا دیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو :-

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

الٰہی! میں تو مدت سے اُن کی تشریف آوری کا منتظر ہوں۔ وہ تشریف لائیں، بسم اللہ، کب سے میری آنکھوں نے تارِ نظر سے کم خواب کا فرش تیار کر کے بچھا رکھا ہے۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے کم خواب اور بصارت کے الفاظ سے شعر میں رُوح پھونک دی ہے۔ اِس شعر میں لفظ کمخواب ذومعنی ہے۔ کمخواب ایک ریشمی پارچہ بھی ہے جو انتہائی نرم و نازک ہوتا ہے اور دوسرا معنی کم سونا ہے۔ اِس کے لحاظ سے شعر کا مفہوم یہ ہُوا کہ اُن کی آمد کے انتظار میں اُن آنکھوں نے اپنی روشنی کا فرش بچھا رکھا ہے جو بہت کم سوتی ہیں اور محبوب کی تشریف آوری کے انتظار میں اکثر کھُلی ہی رہتی ہیں۔ سُبحان اللہ! ایک عام مضمون، ایک عام خیال کو اپنے کمالِ فن اور مشاقی

سے کیسا چمکایا اور کیا چلا بخشی ہے کہ بالکل نیا اور انوکھا معلوم ہوتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

⑤ برجستگی و نشست الفاظ

برجستگی آپ کے کلام کی جان ہے۔ برجستہ گوئی آپ کا کمالِ فن آپ کے گلستانِ نعت میں ان پھولوں کی کمی نہیں، شعر دیکھئے :۔

خود رہے پردے میں اور آئینہ عکس ذات کا
بھیج کر انجانوں سے کی راہ واری واہ واہ

برجستگی کے ساتھ نشستِ الفاظ سے شعر میں حسن و کشش پیدا کرنے کا سلیقہ ملاحظہ ہو :۔

کھبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے
چبھتی ہوئی جگر میں صدا کس گجر کی ہے

خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ ہوں : مصرعۂ اولیٰ میں کھبتی مصرعۂ ثانی میں چبھتی، مصرعۂ اولیٰ میں نظر مصرعۂ ثانی میں جگر، مصرعۂ اولیٰ میں ادا مصرعۂ ثانی میں صدا، مصرعہ اولیٰ میں سحر مصرعۂ ثانی میں گجر، ان ہم آواز الفاظ نے شعر میں کیسا کیف اور ترنم پیدا کر دیا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو :۔

دھارے چلتے ہیں عطا کے، وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے، وہ ہے ذرّہ تیرا

یہاں بھی وہی رنگِ کمال کہ مصرعۂ اولیٰ میں دھارے مصرعۂ ثانی میں تارے، اُولیٰ میں چلتے ثانی میں کھلتے، اُولیٰ میں عطا ثانی میں سخا، اولیٰ میں قطرہ ثانی میں ذرّہ۔ گویا شعر میں کتنے خوبصورت موتی جڑے ہیں ——— یہی کمال مزید دیکھئے :۔

اغنیار پلتے ہیں در سے وُہ ہے باڑا تیرا
اصفیار چلتے ہیں سر سے وُہ ہے رستا تیرا

اس شعر کے اندر بھی مصرعۂ اولیٰ میں اغنیار ثانی میں اصفیار، اولیٰ میں پلتے ثانی میں چلتے،

اولیٰ میں و ر ثانی میں سر اور اولیٰ میں بار آثانی میں رستا ہے۔ شعر میں ہم وزن اور ہم آواز الفاظ سے لطف پیدا کرنا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ سے بہتر کہیں اور نہیں دیکھا۔ اشعار کی روانی اور نشست الفاظ سے ظاہر ہے کہ اظہارِ خیال کے لئے الفاظ از خود شعر کا روپ دھار لیتے ہیں

لیجئے الفاظ سے کیمیا گری کا کام دیکھئے :۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

لفظ خاک، سونا اور اکسیر سے شعر کو کندن بنایا ہے۔ جس قدر غور کیجئے شعری رموز کھلتے جائیں گے، اور نئے نئے زاویوں سے شعر سامنے آتا جائے گا۔ سیدھا سادا مفہوم تو یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت میں مٹ کر آج ہم بے خوف و خطر آرام سے قبر میں سو رہے ہیں، باری تعالےٰ نے جنت کے دروازے کھول دئے ہیں، بازپرس کا اب کوئی خطرہ نہیں ——— مگر فاضل بریلوی نے یہاں لفظ سونا سے بڑا کام لیا ہے۔ یہاں سونا بمعنی معروف قیمتی دھات ہے اور اکسیر وہ شے جو تانبے وغیرہ کو سونے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اب شعر پر غور کیجئے تو یہ معنیٰ ہوں گے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق کی آگ نے ہماری گناہ آلود رُوح کو اپنی حرارت سے صاف مصفا کر دیا، بالکل نکھار دیا ہے اور جس طرح اکسیر تانبے کو کندن میں تبدیل کر دیتی ہے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نے ہماری رُوح کو سونے میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ سونا خاک ہو کر اکسیرِ الفتِ رسول اللہ کے سبب ملا ہے۔

واقعی یہ الفت ہر مسلمان کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے ——— سبحان اللہ، سبحان اللہ! کیسا سونے کی طرح چمکتا دمکتا شعر ہے۔ یہی وہ سونا ہے جس کے عوض بآسانی جنت خریدی جاسکتی ہے۔

(۶) روزمرہ و محاورہ

باایں تبحر علمی آپ کا کلام ثقالتِ زبان سے پاک ہے اور سلاست کے

ساتھ روزمرّہ محاورات کا مجموعہ ہے۔ محبوب خُدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار پُر وقار کا الفاظ میں کیسا نقشہ کھینچا اور محاورے سے کیا منظر کشی کی ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

لاکھوں قدسی ہیں کام خدمت پر　　لاکھوں گردِ مزار پھرتے ہیں

وردیاں بولتے ہیں ہرکارے　　پہرا دیتے سوار پھرتے ہیں

ہرکاروں کا وردیاں بولنا، نعت میں اِس کا استعمال اعلیٰحضرت کی قادر الکلامی ہی کا کام ہے۔

اِسی غزل کا یہ شعر دیکھیئے اور محاورے کی بندش پر غور فرمائیے:۔

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں

پانچ جاتے ہیں، چار پھرتے ہیں

تاج و تخت کے لئے بڑی بڑی سلطنتیں ایک دوسری سے ٹکرا کر فنا ہو گئیں۔ ملاحظہ ہو کہ اس مضمون کو اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے کس شاندار طریقے سے ادا کیا ہے:۔

اُن کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وُہ دُنیا کا تاج

جس کی خاطر مر گئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

روزمرّہ اور محاورے کی کچھ اور مثالیں بھی ملاحظہ ہوں، جو خط کشیدہ ہیں:۔

توجس کے واسطے چھوڑ آیا طیبہ سا محبوب　؎　بتا تو اس ستم آرا نے کیا نہال کیا!

ماہِ مدینہ اپنی تجلّی کرے عطا　؎　یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دو پہر کی ہے

جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو　؎　صبا! ہم نے بھی اُن گلیوں کی اِک دن خاک چھانی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں

تیری گٹھری تاکی ہے اور تُو نے نیند نکالی ہے

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنّت کا

ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے

تم اور آہ کے کہ اِتنا دماغ لے کے چلے

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے　　دینے والا ہے سچا ہمارا نبیؐ

گدا بھی منتظر ہے خُلد میں نیکوں کی دعوت کا
خدا دن خیر سے لائے سخی کے گھر ضیافت کا

بڑھا یہ سلسلہ رحمت کا دَورِ زلفِ والا میں
تسلسل کالے کوسوں رہ گیا عصیاں کی ظلمت کا

آخری شعر پر غور فرمائیے کہ الفاظ کے نگینے کیسے جڑے ہیں :۔ زلف کی مناسبت سے سلسلہ، رحمت، تسلسل، کالے کوسوں اور ظلمت قابلِ غور ہیں ـــــ یہ شعر بھی دیکھئے :۔

اِک دِل ہمارا کیا ہے، آزار اُس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مُردے جلا دیئے ہیں

روزمرّہ کے ساتھ شعر کی معنوی خوبیوں پر غور فرمائیے :۔ عرض کرتے ہیں کہ اے جانِ مسیحا! ہمارے دِل کی بساط ہی کیا اور اِس کا مرض ہے بھی کتنا ؟ آپ کی مسیحائی کا تو یہ عالم ہے کہ مُردوں کو چلتے پھرتے ہی زندہ فرما دیتے ہیں ۔جسے دامن کی ہَوا بھی لگ جائے وہ جی اٹھتا ہے ۔ ـــــ اگر لفظ مردے کو چلتے پھرتے سے متعلق شمار کریں تو عرب کے دورِ جہالت کی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے جب کہ اہلِ عرب کفر اور بُت پرستی کے عمیق غار میں پڑے ہونے کے باعث بظاہر زندہ نظر آتے تھے لیکن حقیقت میں چلتے پھرتے مُردے تھے ۔قتل، خونریزی، بت پرستی، جہالت فحاشی اور عیاشی نے انہیں بے حس کر کے رکھ دیا تھا ۔ آپ نے توحید، اعلیٰ اخلاق، خلوص ایثار اور مساوات کی اُن میں ایسی روح پھونکی کہ اُن چلتے پھرتے مردوں کو زندہ کر کے دکھا دیا ۔ تو ایک دِل کا آزار دُور کر دینا آپ کے نزدیک کیا حقیقت رکھتا ہے ۔

(۷) سلاستِ زبان و زورِ بیان

روزمرّہ و محاورات کے ساتھ اعلیٰحضرت کا پورا کلام سلاستِ زبان و زورِ بیان کا مرقع ہے ۔ آپ کا مشہور سلام ؎ مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام جس کے ایک سو۱۷۰ بہتر اشعار ہیں ۔ اس کا ہر شعر موتیوں میں تولنے کے قابل ہے نیز سلاست و

روانی اور زورِ بیان میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اِس سلام کے ایک ایک شعر میں محبوبِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ادائیں الفاظ کے موتیوں سے ایسی جڑی ہیں جسے دیکھ کر عقدِ ثریا بھی خجل ہو جائے۔ سرکارِ مدینہ کا سراپا اور عہدِ طفولیت سے لے کر عہدِ نبوت تک کا نقشہ اِس طرح کھینچا ہے جس کی داد دینے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت سامنے آجاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شعر و حکمت کا بحرِ بیکراں پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں ہے، جس میں معارفِ قرآن و حدیث، اسرارِ عشق و رموزِ معرفت، اور زبان و بیان کے لاتعداد گوہر ہائے گراں مایہ بہے چلے آرہے ہیں۔ لیجئے سلام کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں، مزید لطف اٹھائیے :۔

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ۔۔۔ شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود ۔۔۔ ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر ۔۔۔ نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

پہلے شعر میں جانِ رحمت اور شمعِ بزمِ ہدایت کی ترکیبیں اسرار و معانی کے گنجینے ہیں ـــــــ دوسرے شعر میں فتحِ بابِ نبوت اور ختمِ دورِ رسالت کے الفاظ سے گویا اجمالاً نبوت و رسالت کی پوری تاریخ سامنے رکھ دی ہے ـــــــ تیسرے شعر میں نائبِ دستِ قدرت ہونے کے ثبوت میں رجعتِ شمس اور شقِ قمر کے مشہور معجزات کو پیش کر کے حجت تمام کر دی ہے ـــــــ اب زورِ بیان کے ساتھ سراپائے مبارک کی چند جھلکیاں دیکھیے اور اپنے قلب و روح کو جلا بخشئے :۔

قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت ۔۔۔ ظلِّ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام

(سایۂ مرحمت)

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں ۔۔۔ اُس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام

(قدِ مبارک)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں ۔۔۔ اُس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

(فرقِ اقدس)

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا　　لکۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام

(گیسوئے مبارک)

لخت لختِ دلِ ہر جگر چاک سے　　شانہ کرنے کی عادت پہ لاکھوں سلام

(شانۂ مبارک)

لیلۃ القدر میں مطلعِ الفجر حق　　مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

(مانگ)

کیا کیا لکھوں اور کہاں کہاں سے لکھوں۔ اِس بے مثل سلام کا ایک ایک شعر مفہوم و معانی کے اِتنے گوشوں پر محیط ہے جس کی وضاحت کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو۔ مفہوم و معانی سے قطع نظر سلاست و روانی، زبان و بیان کی دلکشی اِس سلام کی جان ہے۔ اب دیگر نعتوں کے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں، جو زبان و بیان کے اعلیٰ نمونے ہیں:۔

دِل کو اُن سے خُدا جُدا نہ کرے　　بیکسی لُوٹ لے خُدا نہ کرے

دِل کہاں لے چلا حرم سے مجھے　　ارے تیرا بُرا خُدا نہ کرے

سب طبیبوں نے دے دیا ہے جواب　　آہ عیسیٰ اگر دوا نہ کرے

صدقے اِس انعام کے، قربان اِس اِکرام کے　　ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ واہ

عرش جس خوبیِ رفتار کا پامال ہوا　　دو قدم چل کے دِکھا سروِ خراماں ہم کو

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو !　　کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے　　اندھیری رات سُنی تھی چراغ لے کے چلے

تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا　　صبحِ عارض پہ لُٹاتے ہیں ستارے گیسو

شب بھر سونے ہی سے غرض تھی　　تاروں نے ہزار دانت پیسے !

گھرے، پیارے، پرانے دِل سوز　　گزرا میں تیری دوستی سے

ہیں پُشت پناہ غوثِ اعظم　　کیوں ڈرتے ہو تم رضا کسی سے

اِس لطفِ زبان، سلاست و روانی اور زورِ بیان کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اگر اِن اشعار سے فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کا نام علیحدہ کر دیا جائے تو حکیم مومن خاں مومن یا داغ دہلوی کی زبان معلوم ہو۔

(۲)

علمِ بیان

۱۔ استعارہ: جس طرح روزمرہ اور محاورات سے آپ کا کلام مزیّن ہے کہ اگر انہیں جمع کر لیا جائے تو ایک ضخیم لغت مرتب ہو، اسی طرح صنائع بدائع اور علم بیان کے نوادرات کی بھی آپ کے یہاں کمی نہیں۔ ہر شعر علم و فن کا بیش بہا جواہر پارہ، شعر و ادب کا گنجینہ اور گلشنِ دین و ایمان کی بہارِ جانفزا ہے۔ استعارے کی مثالیں دیکھنے سے پہلے اس کی تعریف ذہن نشین کر لینی چاہیے۔

جس طرح تشبیہ میں مشبّہ اور مشبّہ بہٖ کو طرفینِ تشبیہ کہتے ہیں اسی طرح استعارہ میں بھی یہی دو چیزیں طرفینِ استعارہ کہلاتی ہیں مگر یہاں مشبّہ کو مستعار لہٗ اور مشبّہ بہٖ کو مستعار منہٗ کہتے ہیں اور تشبیہ میں جو شے وجہ شبہ کہلاتی ہے اُسے ہم یہاں وجہ جامع کہیں گے۔ مندرجہ ذیل نقشہ دیکھیے تاکہ آپ استعارہ اور تشبیہ میں فرق کر سکیں:۔

تشبیہ	استعارہ
مشبّہ	مستعار لہٗ
مشبّہ بہٖ	مستعار منہٗ
وجہ تشبیہ یا وجہ شبہ	وجہ جامع

مستعار لہٗ وہ ہے جس کے لئے استعارہ ہوا۔ مستعار منہ وہ ہے جس سے استعارہ کیا گیا اور وجہ جامع معانی اوصاف و خواص کی وہ مشارکت ہے جس میں مستعار لہٗ اور مستعار منہٗ دونوں شریک ہیں۔

استعارہ کی کئی اقسام ہیں :- استعارہ اصلیہ، استعارہ مطلقہ، استعارہ مجردہ اور استعارہ تمثیلیہ وغیرہ جی چاہتا ہے کہ ہر استعارے کی دو تین مثالیں پیش کروں، جن کی اعلیٰحضرت کے ہاں کمی نہیں، مگر یہ امر باعثِ تطویل ہے اور عدیم الفرصتی اِس سے مانع ہے، لہٰذا صرف استعارہ اصلیہ کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں ——— جس استعارہ میں لفظ مستعار اسم جنس ہو اُسے استعارہ اصلیہ کہتے ہیں، کیوں کہ فعل اور حرف میں استعارہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اَب اعلیٰحضرت کے دُو شعر ملاحظہ فرمائیے :-

اُن کے قدم سے سلعۂ[1] غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گُل سے ہے جاہ و جلالِ گُل
(اسم جنس)

جنّت ہے اُن کے جلوے سے جویائے رنگ و بُو
اے گُل، ہمارے گُل سے ہے گُل کو سوالِ گُل
(اسم جنس)

دونوں شعروں میں میرے گُل اور ہمارے گُل سے ذاتِ سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں اور دونوں جگہ لفظ (گُل) مستعار اسم جنس ہے۔

۲ : تشبیہ : امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی جدّت پسند طبیعت نے عجیب عجیب تشبیہات وضع کی ہیں، جنہیں استعمال کرنا ایک عام شاعر کے بس کی بات نہیں، اُن کا وضع کرنا اور شعر میں ڈھالنا آپ ہی کا کام ہے۔ سرگیں آنکھیں تو سب ہی کہتے ہیں مگر اس تشبیہ کا رنگ بارگاہِ رضوی میں دیکھیے :-

سرگیں آنکھیں، حریم حق کے وُہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نُور کا

محبوبِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگیں چشمانِ مبارک کو حریم حق کے مشکیں غزال کہنا کیسی نادر تشبیہ ہے اور فضائے لامکاں تک اُن کے چوکڑیاں بھرنے کا بیان "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" کی کیسی حسین اور نُورانی تفسیر ہے۔ نعت شریف میں عام تشبیہات سے آپ نے گریز کیا ہے

---

[1] متاعِ گراں بہا

اور سرکارِ مدینہ کی مدح سرائی کے لئے جس طرح آپ نے بے مثل محاورے استعمال کیے ہیں اسی طرح آپ کی قوتِ مدرکہ اور جودتِ طبع نے حضورؐ کے شایانِ شان تشبیہات ڈھالی ہیں۔ کعبۂ اقدس اور روضۂ اطہر کا نظارہ مندرجہ ذیل اشعار میں کیجئے اور پیش کردہ تشبیہات کی داد دیجئے:۔

کعبہ دُلہن ہے تربتِ اطہر نئی دلہن ۔۔۔ یہ رشکِ آفتاب، وہ غیرتِ قمر کی ہے

دونوں بنیں سجیلی انیلی ، بنی مگر ۔۔۔ جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے

سر سبز وصل یہ ہے، سیاہ پوشِ ہجر وہ ۔۔۔ چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

کعبہ کو دُلہن اور تربتِ اقدس کو نئی دلہن سے تشبیہ دے کر ہجرت کا واقعہ دو لفظوں میں محفوظ کر دیا ہے۔ کعبہ شریف تو دُلہن ہے ہی مگر تربتِ اطہر بھی نئی دلہن ہے۔ دونوں حسن خیر و برکت اور جمالِ خیر و برکت سے مالامال ہیں۔ یہ جمال و رحمت کا آئینہ ہے تو وہ جلال و جبروت کی مظہر۔ ایک آفتاب تو دوسری ماہتاب، مگر دونوں میں ایک فرق نمایاں ہے۔ پہلی نے فراقِ محبوب میں سیاہ لباس پہن رکھا ہے کہ یہ علامتِ غم ہے اور دوسری سبز لباس میں ملبوس ہے کہ یہ مسرت و شادمانی کی نشانی ہے۔ کعبہ غمِ ہجرِ رسول میں سیاہ پوش ہے کہ سرکار نے اُس سے دائمی مفارقت اختیار فرمالی ہے اور روضۂ اطہر اِس لئے سبز پوش ہے کہ اُس کی آغوش میں اس کا محبوب آرام فرما ہے اور اُس کے مستقل قُرب سے شادکام — نگاہِ عشق میں سہاگن وہی ہوتی ہے جسے اُس کا پی (محبوب) زینتِ آغوش بن کر نوازے۔

زہرہ و مشتری دو سعید سیارے ہیں۔ جب وہ ایک درجہ و دقیقۂ فلک میں جمع ہو جاتے ہیں تو اِسے قِرانُ السّعدین کہتے ہیں۔ فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایمان افروز قِرانُ السعدین کا منظر دیکھیے:۔

محبوبِ ربِّ عرش ہے اِس سبز قبّہ میں ۔۔۔ پہلو میں جلوہ گاہ عتیق و عمر کی ہے

سَعدَین کا قِران ہے پہلوئے ماہ میں ۔۔۔ جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلّی قمر کی ہے

مالکِ عرش کا حبیب اپنے سبز قبۂ اطہر میں جلوہ افروز ہے اور پہلو میں آپ نے دونوں جلیل القدر و محبوب خلفاء سیدنا صدیق عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں۔ ستر ہزار فرشتے جھرمٹ کئے ہوئے ہیں۔ مدینے کا چاند اِس حالت

میں جلوہ افروز ہے کہ آسمانِ اسلام کے زہرہ و مشتری اِس مقام پر جمع ہیں۔ کیا چشم فلک نے ایسا حسین قِران السعدین اور دیکھا ہوگا؟ غرضیکہ آپ کا کلام ایسی ایسی نادر تشبیہات واستعارات سے مزین ہے جن کا جواب نہیں۔

۳

علمِ بدیع (صنائع لفظی)

۱: **تجنیس** ۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کا کلام شاعرانہ لطافتوں اور باریکیوں کا مرقع ہے اور صنائع لفظی و معنوی کے معیاری اور اعلیٰ شاہکاروں سے آپ نے قصرِ نعت کو سجایا ہوا ہے۔ تجنیس کا مطلب ہے کہ دو لفظ صورتاً ایک دوسرے کے مشابہ ہوں مگر معناً مختلف۔ ہم اس کی صرف چار اقسام کے تحت اعلیٰحضرت کے اشعار بطور مثال پیش کریں گے:۔

ا: **تجنیس محرف** : جب متجانس الفاظ بہمہ وجوہ یکساں ہوں اور صرف حرکات میں فرق ہو تو اُسے تجنیس محرف کہتے ہیں، جیسے بَن (جنگل) اور بن (بغیر یا بنیا) اسی طرح سُن ج، سَن اور سِن وغیرہ۔ چنانچہ اس سلسلے میں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:۔

سُونا پاس ہے، سُونا بَن ہے، سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے، تیری مت ہی نرالی ہے

خط کشیدہ تینوں لفظوں میں حرکات کا معمولی فرق ہے لیکن ان لفظوں نے معنوی لحاظ سے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ سُونا بمعنی قیمتی دھات، سُونا (سنسان) اور سونا سے مراد غافل ہونا، محوِ خواب ہونا ہے۔

ب: **تجنیس خطی** ، اگر متجانس الفاظ کی شکل یکساں ہو مگر حروف کی وجہ سے الفاظ بدل جاتے ہوں تو اسے تجنیس خطی کہتے ہیں۔ جیسے خرابہ اور خزانہ میں تجنیس خطی ہے۔ فاضلِ بریلوی کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بہ مدحی نہ مرا ہوش ذمی

اِس شعر کے نوش، گوش اور ہوش میں تجنیس خطی ہے۔ ایک شعر اور دیکھئے:۔

ما و شما تو کیا کہ خلیل جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

یہاں خلیل اور جلیل میں تجنیس خطی ہے۔

ج۔ تجنیس مرکب: متجانس الفاظ میں سے ایک مفرد ہوا اور دوسرا مرکب تو یہ تجنیس مرکب ہوگی۔ جیسے کسی شاعر کا شعر ہے:۔

قاتل نے لگایا نہ مرے زخم پہ مرہم
حسرت یہ لیے جی ہی کی جی میں گئے مر، ہم

مصرعہ اولیٰ میں مرہم سے مراد وہ دوا ہے جو زخموں پر لگائی جاتی ہے اور یہ مفرد ہے لیکن مصرعہ ثانی میں مرہم، مر اور ہم مرکب ہے یعنی ہم مر گئے، لہٰذا یہ مرکب ہے کیونکہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ مذکورہ بالا تعریف کی روشنی میں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:۔

صدقے میں تیرے باغ تو کیا لائے ہیں بَن پھول
اِس غنچۂ دِل کو بھی تو ایما ہو کہ بَن پھول

مصرعہ اولیٰ میں بن سے مراد جنگل ہے اور یہ لفظ مفرد ہے لیکن مصرعہ ثانی میں بَن پھول سے مُراد ہے کہ پھول بن جا، پھول ہو جا۔ یعنی اے بہارِ کونین! آپ کے صدقے میں باغ تو رہے ایک جانب، جنگل بھی پھولوں سے لد گئے ہیں لہٰذا میرے دِل کی مرجھائی ہوئی کلی کی جانب بھی اشارہ فرما دیجئے کہ پھول بن جائے، پھول ہو جائے، کھِل جائے۔ یہ لفظ بَن اور پھول دو لفظوں سے مرکب ہے۔

د: تجنیس تام: جب دو الفاظ بلحاظ تعدادِ حروف و ترتیب و بلحاظ اعراب ایک دوسرے کے مشابہ ہوں تو اسے تجنیس تام کہتے ہیں۔ جیسے مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کا یہ شعر ہے:

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ جمجاہ نے دال
ہے لُطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال

لفظ دال مصرعہ اولیٰ میں غلّے کی ایک جنس دال کے معنی میں ہے اور مصرعہ ثانی میں دال بمعنی دلیل و

دلالت کرنے کے لئے ۔ــــــــ دونوں مصرعوں میں لفظ دال صورتاً بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور بلحاظ تعداد حروف و اعراب بھی یکساں ــــــــــــ اب اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کا شعر ملاحظہ ہو : ۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

مصرعۂ اولیٰ میں آنی بمعنی آئے گی ہے اور مصرعۂ ثانی میں آنی بمعنی ایک آن کے لئے یا ایک آن والی کے ہے ــــــــ یعنی اجل تو انبیاء کو بھی آتی ہے مگر صرف آنِ واحد کے لئے   ایک شعر اور ملاحظہ ہو : ۔

مومن وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مرے دِل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دِل سے

مصرعۂ اولیٰ میں مرے دِل سے کا مطلب دِل سے چاہنا، صدق دِل سے محبت کرنا، جان نثار کرنا ہے اور مصرعۂ ثانی میں منکرِ تعظیم حبیب سے تخاطب ہے کہ اوّل تو وہ تعظیم نبی کا قائل ہی نہیں ہے اور اگر مجبوراً کبھی تعظیم کرنی پڑ بھی جائے تو مُردہ دِلی سے، شرماحضوری با دلِ نخواستہ تعظیم کرتا ہے ــــــــــ دونوں اشعار کے قوافی صورتاً ایک دوسرے کے مشابہ اور بلحاظ اعراب و تعدادِ حروف بھی یکساں ہیں۔ آپ کے ایمان افروز مجموعہ کلام میں تجنیس کی دیگر اقسام بھی ملتی ہیں اور اُن کے بہت بہترین نمونے پائے جاتے ہیں جو اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ نعت شریف میں یہ صنعت کاری اِس حسن و خوبی سے بہت ہی کم دیکھنے میں آئی ہے۔

۲ ۔ ترصیع : دونوں مصرعوں کے الفاظ ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں اِسے ترصیع کہتے ہیں۔ یہ صنعت شعراء کے ہاں شاذ و نادر قصائد ہی میں نظر آتی ہے۔ البتہ غالب کے قصائد میں اس کا اہتمام زیادہ ہے۔ نعت شریف میں یہ صنعت احقر کی نظر سے تا حال نہیں گزری۔ غالب کے دو شعر دیکھئے : ۔

اے شہنشاہِ، فلک منظر و بے مثل و نظیر
اے جہاندارِ، کرم شیوہ و بےشبہ و عدیل

تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام

تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

مندرجہ ذیل دونوں اشعار کی ترتیب لفظی (اعداد کے شمار سے) ذہن میں رکھیئے اور فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل نعتیہ اشعار پڑھیئے:

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسانِ عجم

تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزارانِ عرب

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن و صالح ملا

فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

دونوں اشعار کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرقومہ الفاظ شاعر موصوف کا قلم چوم رہے ہیں پہلے شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں دام بمعنی مول یعنی روپیہ پیسہ ہے اور مصرعۂ ثانی میں یہی لفظ بمعنی جال ہے ——— مصرعہ اولیٰ میں بندے بمعنی غلام ہے اور مصرعہ ثانی میں بندی بمعنی قیدی ہے۔ الفاظ کے معمولی سے لوٹ پھیر سے کلام میں کیسا حسن پیدا فرمایا ہے۔ سبحان اللہ! تخیل کے آگے مفہوم و معانی کس طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔

۳: عزالشفتین: فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقیہ جزوی مجموعۂ کلام، حدائق بخشش حصہ سوم مطبوعہ ریاست پٹیالہ (بھارت) میں ایک نعت صنعتِ عزالشفتین میں کہی ہوئی بارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ پوری نعت میں پڑھنے والے کے لب آپس میں نہیں ملتے۔ چھوٹی بحر ہے، مشکل فن میں کہی ہے۔ پھر بھی علمی نکات سے بھرپور ہے، ملاحظہ ہو:

سیدِ کونین، سلطانِ جہاں	ظلِ یزداں، شاہِ دیں، عرش آستاں
کُل سے اعلیٰ، کُل سے اولیٰ، کُل کی جان	کُل کے آقا، کُل کے ہادی، کُل کی شان
دِل کشا، دِل کش، دِل آرا، دل ستاں	کانِ جان و جانِ جان و شانِ شان
ہر حکایت، ہر کنایت، ہر ادا	ہر اشارت دلنشیں و دل نشاں
دِل دے، دِل کو جاں، جاں کو نور دے	اے جہانِ جاں والے جانِ جہاں
آنکھ دے اور آنکھ کو دیدارِ نور	رُوح دے اور رُوح کو راحِ جناں

اللہ اللہ یاس اور ایسی آس ہے — اور یہ حضرت، یہ در، یہ آستاں
تُو ثنا کو ہے، ثنا تیرے لئے — ہے ثنا تیری ہی دیگر داستاں
تُو نہ تھا تو کچھ نہ تھا، گر تُو نہ ہو — کچھ نہ ہو، تُو ہی تو ہے جانِ جہاں
تُو ہو داتا اور اوروں سے رجا — تُو ہو آقا اور یادِ دیگراں
التجا! اِس شرک و شر سے دُور رکھ — ہو رضا تیرا ہی غیر از ایں و آں

جس طرح ہونٹ اِس غزل سے دُور ہیں
دل سے یوں ہی دُور ہو ہر ظن و ظاں

فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا متبحرِ عالم، بلند پایہ ادیب، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ اور امامِ زمانہ اگر ایسی بلند پایہ نعتیں نہ بھی لکھتا تو چنداں تعجب کی بات نہ تھی، اِس کے باوجود حضرت موصوف نے اپنی درّاکی، طبّاعی، ذہانت و فطانت اور مہارتِ فن کے باعث تاریخِ شاعری میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا کوئی ثانی نہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر آپ کا یہ بیان تعلّی نہیں، بلکہ زندہ اور منہ بولتی حقیقت نظر آنے لگتا ہے:

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

۴

علم بدیع (صنائع معنوی)

۱: تلمیح ۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام سے منتخب تلمیح کی چند نادر مثالیں ملاحظہ ہوں، جن سے آپ کے علمی تبحر، قدرتِ فن، شاعرانہ عظمت، پروازِ فکر اور نظر کی گہرائی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے آپ کے مشہور سلام کا ایک شعر ہے :۔

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں قرآنی آیت :۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ؕ اور مصرعۂ ثانی میں ایک حدیث پاک کو، جس کی شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ایمان افروز شرح فرمائی ہے، اعلیٰحضرت نے تلمیح کے طور پر بیان کرکے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے ـــــــ آیت کا ترجمہ ہے : اے حبیب! اِس شہر مکہ کی قسم جس میں تم تشریف فرما ہو ـــــــ اعتراض ہو سکتا ہے کہ آیت میں تو شہر مکہ کی قسم ہے، خاکِ گزر کی تو قسم نہیں ہے ـــــــ اس سلسلہ میں یہ روایت مدِ نظر ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں :۔ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ اَقْسَمَ بِحَیَاتِكَ دُوْنَ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَلَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِیْلَتِكَ عِنْدَهٗ اَنْ اَقْسَمَ بِتُرَابِ قَدَمَیْكَ

فَقَالَ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ؕ[1]

ترجمہ ۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، بیشک حضور کی بزرگی خدا کے نزدیک اس حد کو پہنچی کہ حضور کی زندگی کی قسم بعد زمانی اور دیگر انبیاء کی نہیں۔ اور تحقیق حضور کی فضیلت خدا کے یہاں اس انتہا کی ٹھہری کہ حضور کی خاکِ پا کی قسم یاد فرمائی کہ ارشاد ہوتا ہے۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ یعنی مجھے قسم اس شہر کی۔

امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ کی خوبصورت، پاکیزہ اور ایمان افروز تفسیر اُقْسِمُ بِتُرَابِ قَدَمَیْکَ سے کر کے کفِ پائے مصطفےٰ کی حرمت پر قرآنی مُہر ثبت کر دی ہے۔ اِس آیت کے سلسلے میں حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدثِ دہلوی کی تشریح ملاحظہ فرمائیے:۔

"در ایں لفظ در ظاہر نظر سخت می درآید نسبت بجنابِ عزت، چوں گویند کہ سوگند میخورد بخاکِ پائے حضرت رسالت و نظر بحقیقت معنی پاک و پاک است و غبارے نیست برآں۔ و تحقیق ایں سخن آنست کہ سوگند خوردن حضرتِ رب العزت جل جلالہٗ بچیزے سے غیر ذات و صفات خود برائے اظہار و شرف و فضیلت و تمیز آں چیز است نزد مردم بہ الیشاں تا بدانند کہ آں امرے عظیم و شریف است نہ آنکہ اعظم است بروے تعالیٰ (الخ)"[2]

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ شعر قرآن پاک کی اِس آیت کی تفسیر، مذکورہ حدیثِ مبارکہ کی جانب لطیف اشارہ اور حضرت شیخ محقق دہلوی کی تحقیق کا عکسِ جمیل ہے۔ اِسی طرح کا ایک شعر اور ملاحظہ ہو:۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا، ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

---

[1] احیاء العلوم، مدخل، مواہب لدنیہ، نسیم الریاض، بحوالہ تجلی الیقین، ص ۱۸

[2] مدارج النبوت مصنفہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ

اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ مذکورہ شعر کے مصرعہ ثانی میں تین آیات کے مفہوم کی جانب اشارہ کر رہے ہیں، جو مصرعہ اُولیٰ کے اِس دعوے کی دلیل ہیں کہ سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ عطا فرمایا، وہ نہ آپ سے پہلے کسی کو ملا تھا اور نہ آپ کے بعد کسی کو مل سکتا ہے۔

وہ تینوں آیات ملاحظہ ہوں :۔

شہر : لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ؕ اِس شہر مکہ کی قسم کہ اے محبوب تم اِس شہر میں تشریف فرما ہو۔

کلام : وَقِيۡلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ۘ حبیب کے اِس کہنے کی قسم کہ اے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

بقا :۔ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ۚ اے حبیب! تمہاری زندگی کی قسم، یہ کافر نشہ میں بہک رہے ہیں۔

مصرعہ اولیٰ اور مصرعہ ثانی دونوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی مذکورہ حدیث کا مضمون بھی مضمر ہے۔ اسی طرح کی ایمان افروز اور حسین وجمیل تیسری تلمیح بھی دیکھئے :۔

ک گیسو، ہ دہن، ی ابرو، آنکھیں ع، ص

کٓہٰیٰعٓصٓ اُن کا ہے چہرہ نُور کا!

حروفِ مقطعات کا اصلی مفہوم تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس کی عطا سے اُس کا محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کیوں کہ یہ محب اور محبوب کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ بعض علمائے کرام اور اولیائے عظام نے اپنی بساط بھر ان کے مفہوم ومعانی تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ ایسے ہی بزرگوں میں سے ایک امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے مذکورہ شعر میں کہٰیٰعٓصٓ کی تفسیر بیان کی ہے۔ جو بڑی نورانی اور ایمان افروز ہے۔ اِن پانچوں حروفِ مقطعات کا مطلب آپ نے یہ بیان فرمایا ہے :۔

ک :۔ سے مراد حسینِ مدینہ کے چمکدار گیسوئے مشکبار۔

ہ : دہن کو ہر شاعر نے غنچہ یا بند کلی سے تشبیہ دی ہے مگر اس سے محبوبِ خدا کے دہن مبارک کی مثال حقیقت میں نزاکت ونفاست کی انتہا ہے۔

ی : عرب کے چاند، عجم کے سورج، کونین کے تاجدار کی ہلالی بھنویں۔

ح . س : محبوب پروردگار کی جشمانِ کرم ترجمان۔

میرے ماموں حضرت مولانا حکیم سیّد محمد اصغر علی اصغر حامدی رضوی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ہے ؎

اُن کی آنکھوں کے ہیں جتنے بیمار سورۂ صٓ پڑھا کرتے ہیں

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حبیبِ پروردگار کا چہرۂ انور کہٰیٰعص کا آئینہ ہے۔ اس سے اچھی تفسیر ان حروف کی اور کیا ہوسکتی ہے۔ تلمیح میں تشبیہ کا اتنا اچھا استعمال اور آیت کی اتنی پُر معنی، پُر مغز اور ایمان افروز وضاحت تعریف سے بے نیاز ہے۔ ایک شعر اور ملاحظہ ہو:-

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ میں مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ حق

مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

اِس شعر میں دو آیتوں کی تلمیح ہے اور ان سے موئے فرقِ انور اور مانگ کو تشبیہ دی گئی ہے۔ مشکیں سیاہ موئے مبارک میں سیدھی مانگ کی سپیدی اِس قدر حسین و دلکش ہے جیسے شبِ قدر سے سپیدیٔ سحر کی باریک لکیر مصرعۂ اولیٰ میں لفظ حق بھی دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے اور مصرعۂ ثانی میں مانگ کے ساتھ لفظِ استقامت بھی غور طلب ہے۔

صراطِ مستقیم (استقامت) کی مانند مانگ کی سیدھی باریک اور چمکیلی لکیر آپ کے سیاہ اور مشکیں موئے مبارک میں اِتنی حسین معلوم ہوتی ہے جیسے نزولِ قرآن کی مبارک شب (لیلۃ القدر) سے صبح (مطلع الفجر) کی شعاعِ اوّلین کا ظہور۔ یہ شعاع اُس سحر کا مژدہ ہے جس سے دعوتِ حق کا آغاز ہوا۔ یعنی موئے مبارک اور سر کی مانگ جاء الحق کی تفسیر ہے کہ اللہ کا محبوب غارِ حرا سے پیغامِ حق لے کر بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دینے کے لئے عملی میدان میں تشریف لاچکا ہے۔ نشستِ الفاظ دیکھئے : لیلۃ القدر (شبِ قدر) مطلع (پیشانی یا چہرہ)، الفجر (صبح)، حق (صداقت۔ سچائی)، مانگ (بالوں کے درمیان لکیر) استقامت (سیدھ، ثبات، غیر متزلزل، استقلال)' اِن الفاظ سے شعر میں ظاہری حُسن کے ساتھ معنوی حُسن پیدا کر دینا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا کام ہے۔ یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

اَنتَ فِیہِم نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

آیۂ کریمہ ہے :- مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ۔ اللہ ان کافروں کو عذاب نہ فرمائے گا جب تک اے حبیب! تم ان میں جلوہ افروز ہو ——— اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ اے حبیب خدا کے شیدائی! تجھے دائمی آرام وراحت مبارک ہو جب کہ اپنے آقا کا وجودِ رحمت کافروں کے لئے بھی باعثِ رستگاریٔ عذاب ہے پھر تجھ پر اُن کے اکرامات وانعاماتِ بے پایاں کا کیا شمار۔ سبحان اللہ! مجددِ مأتہ حاضرہ علیہ الرحمہ شیدائی رسول کے عیشِ جاوید کے لئے قرآن کریم سے کتنی جاندار دلیل لائے شعر ہے :-

یٰعِبَادِیْ کہہ کے ہم کو شاہ نے
اپنا بندہ کرلیا پھر تجھ کو کیا

شاعر منکرینِ شانِ رسالت سے مخاطب ہے کہ ہمارے آقا نے بحکم خداوندی یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ (الآیہ) کہہ کر اپنے بندوں (غلاموں) میں شامل فرمالیا ہے اور سندِ غلامی عطا فرمادی ہے اس پر تو کیوں جلتا ہے؟ مخالف ہونے کے سبب تجھے یہ شرف کہاں حاصل؟ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا تھا :-

بندۂ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قُلْ یٰعِبَاد

ذرا اس شعر میں تلمیحات کا حسین سنگم تو ملاحظہ فرمائیے :-

نہ عرشِ ایمن، نہ اِنِّیْ ذَاھِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطفِ اُدْنُ یَا اَحْمَد نصیب لَنْ تَرَانِیْ ہے

کلیم دیدار کے سراپا طالب ہو کر کوہِ طور پر جاتے ہیں لیکن حبیب کو خود بلایا جاتا ہے اور نوریوں کے سردار کو بھیج کر۔ وہ طالب تھے؛ اور یہ مطلوب۔ کلیم نے اپنی خواہش کا بایں الفاظ اظہار فرمایا تھا :- اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔ لیکن اُدھر اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ سے ظاہر ہے کہ انہیں خود محب نے بلایا تھا۔ کلیم کو جواب ملتا ہے :- لَنْ تَرَانِیْ اور حبیب کو

لامکاں میں بُلا کر فرمایا جاتا ہے۔ اُدْنُ یَااَحْمَد، اُدْنُ یَا مُحَمَّد، اُدْنُ یَاخَیْرَ الْبَرِیَّۃ

فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے طالب مطلوب کے فرق کو قرآنی آیات کی جانب اشارے کر کے ایک ہی شعر میں کیا خوب نبھایا ہے۔ نعت میں تلمیحات کا ایسا کمال دوسری جگہ نظر نہیں آیا۔

اعلیٰحضرت کے اِس سلام پر احقر کی مکمل تضمین جو پاک و ہند میں بڑی مقبول اور اہلسنت کے تقریباً ہر کتب خانے سے دستیاب ہے۔ اُس کا ایک بند اسی سلسلے میں ملاحظہ ہو:۔

قصۂ طور و معراج سمجھے کوئی — فرقِ مطلوب و طالب کا دیکھے کوئی

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی — کوئی بیہوش، جلوؤں میں گم ہے کوئی

آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

مستزاد میں اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ، یہ ملا ہے تجھ کو منصب :: جو گدا بنا چکے اب، اُٹھو وقتِ بخشش آیا کرو قسمت عطایا

آیۂ مبارکہ کا ٹکڑا اگلے فقرے سے اِس طرح پیوستہ ہے جیسے آنکھ سے نظر کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کیا جاسکتا۔ ــــــ کہیں کہیں تلمیح میں پورے پورے مصرعے مکمل آیت ہوتے ہیں۔ حدائقِ بخشش حصۂ سوم میں نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے:۔

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ

ساری کثرت پاتے یہ ہیں

آیۂ مبارکہ کا مصرعۂ ثانی سے کتنا خوبصورت ارتباط ہے۔ جیسے جسم و جان، الفاظ کے زیر و بم نے فردوسی ترنم پیدا کر دیا ہے۔ شعر دو زبانوں میں ہے لیکن اوزان و حرکات کی ٹیک روی دیدنی ہے ــــــ اب احادیث میں تلمیح کا بہترین نمونہ ملاحظہ ہو:۔

کیوں! جناب بوہریرہ، تھا وہ کیسا جامِ شیر

جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم

تیری اُنگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجہ چِر گیا

پہلے شعر میں بخاری شریف کی اُس طویل حدیث کی جانب اشارہ ہے، جس میں ستر اصحابِ صفہ کو ایک پیالہ دودھ سے سیراب کرنے کا بیان ہے اور دوسرے شعر میں رجعتِ شمس و شقِ قمر کے معجزوں کی جانب اشارہ۔

دیگر مختلف معجزات کی جانب اشارے ملاحظہ ہوں :-

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد، ہاں یہیں چاہتی ہیں ہرنی داد
اِسی در پر شترانِ ناشاد، گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں

اپنے مولیٰ کی ہے بس شانِ عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں اَدب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری، جن سے دریائے کرم ہیں جاری
جوش پر آتی ہے جب غم خواری، تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں

آخری شعر کے مفہوم کو دوسرے مقام پر یوں عجیب انداز میں لائے ہیں :-

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

لفظ پنجاب (پنج اور آب) دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی پانچ پانیوں یا پانچ دریاؤں والا۔ محبوبِ پروردگار نے انگشت ہائے مبارک سے پانی کے چشمے جاری کرکے شمعِ رسالت کے پروانوں کے لئے پنجابِ رحمت کا اہتمام کیا۔ مجاہدینِ اسلام جو پانی ختم ہوجانے کے باعث سخت مشکل میں گرفتار تھے اُن کی بروقت اِس طرح مشکل کشائی فرمائی کہ اِس شانِ آقائی پر ہر کوئی ہزار جان سے نثار۔ پنجابِ رحمت اصطلاح فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کی جدتِ طبع کا اچھوتا شاہکار ہے ——— لیجئے اب امام نعت گویاں کے کلام سے آپ کی خدمت میں ایسا شعر پیش کرتے ہیں جس کا مکمل مصرعۂ اُولیٰ حدیث ہے :-

مَنْ زَادَ تُرْبَتِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ
اُن پر درود جن کو نوید ان بشر کی ہے

اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے آیات و احادیث کو اشعار میں بطور تلمیحات اِس درجہ استعمال کیا،

کہ اتنے حسین شاہکار کسی اور شاعر کے ہاں دیکھنے میں نہیں آئے جب کہ فاضل بریلوی کا دامانِ شاعری ایسے انمول جواہرات سے بھرا ہوا ہے۔

۲ ۔ تضاد : صنعتِ تضاد ایک عام صنعت ہے اور قریب ہر شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ تضاد سے یہاں مراد ایک دوسرے کی ضد اور جوڑا ہے۔ جیسے زمین کی ضد آسمان، آگ کی ضد پانی اور گُل و بُلبل وغیرہ۔ کلامِ امام سے تضاد کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

شبِ اعمالِ سیہ صبحِ کرم سے بدلی ۔۔۔ نُور افشاں ہُوا یہ چہرۂ تاباں کس کا

دشتِ حرم ہے جان دُلہن گو دلہن نہیں
رشکِ ارم ہے گرچہ بظاہر چمن نہیں

صبح کر دی کفر کی، سچا تھا مژدہ نور کا
شام ہی سے تھا شبِ تیرہ کو دھڑکا نُور کا

نار یوں کا دَور تھا دِل جَل رہا تھا نُور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نُور کا

میں گدا تُو بادشاہ بھر دے پیالہ نُور کا
نُور دِن دونا تیرا، دے ڈال صدقہ نُور کا

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

بحر و بر، شہر و قُریٰ، سہل و حزن، دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا

دِل عبث خوف سے پتا سا اُڑا جاتا ہے
پلّہ ہلکا سہی، بھاری ہے بھروسہ تیرا

ہلکا ہے اگر ہمارا پلّہ ۔۔۔ بھاری ہے تیرا وقار آقا

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شانِ عزّت کا ۔۔۔ نظر آتا ہے اِس کثرت میں کچھ اندازِ وحدت کا

بڑھ چلی تیری ضیاء اندھیرا عالم سے گھٹا

کھل گیا گیسو تیرا، رحمت کا بادل گھر گیا

آخری شعر میں بڑھنا کی ضد گھٹنا، ضیا رکی ضد اندھیر، کھل گیا کے مقابل گھر گیا اور گیسو کی رعایت سے گھٹا سے کتنے خوبصورت معانی پیدا ہو رہے ہیں ——— تضاد کا ایک اور شعر دیکھئے:۔

مجھ کو دیوانہ بتاتے ہو، میں وہ ہشیار ہوں

پاؤں جب طوف حرم میں تھک گئے سر پھر گیا

۴۔ **لف ونشر**: لف کے معنی لپٹنا نشر کا مطلب پھیلانا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ مصرعۂ اولیٰ میں چند چیزیں مفصّل یا مجمل طور پر بیان کی جائیں (اسے لف کہتے ہیں) اس کے بعد مصرعۂ ثانی میں اُن چیزوں کی مناسبات سے اُسی ترتیب یا دوسری ترتیب سے مکرر بیان کی جائیں (اس کو نشر کہتے ہیں)۔ اگر ترتیب مطابق ہو تو اسے لف ونشر مرتب کہیں گے، اگر ترتیب مخالف ہو تو غیر مرتب کہلائے گی۔ لف ونشر مرتب میں غالب کا یہ شعر دیکھئے:۔

آتشؔ و آبؔ و بادؔ و خاکؔ نے لی

وضعِ سوزؔ و نمؔ و رمؔ و آرامؔ

آتش کو سوز سے، پانی کو نمی سے، باد کو رم (دوڑنے) سے اور خاک کو آرام (ایک جگہ پڑے رہنا) سے مطابقت ہے۔ مصرعۂ ثانی کی ترتیب مصرعۂ اولیٰ کے عین مطابق ہے۔ اسی سلسلے میں اعلیٰحضرت کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

دنداںؔ و لبؔ و زلفؔ و رخِؔ شہ کے فدائی

ہیں درِ عدن، لعلِ یمنؔ، مشکِ ختنؔ، پھول

سرورِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک سے دُرِ عدن کو، لب ہائے نازک کی سرخی سے لعلِ یمن کو، زلفِ معنبر کی خوشبو اور رنگت سے مشکِ ختن کو اور گلاب جیسے نازک اور حسین چہرے سے پھول کو اس لئے خاص نسبت ہے کہ حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اصنافِ سخن

اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے یوں تو تقریباً ہر صنفِ شاعری میں طبع آزمائی کی ہے اور نہایت کامیابی کے ساتھ، لیکن ہم یہاں قصیدے اور رباعی کے تحت کچھ عرض کریں گے۔

قصیدہ : اُردو شاعری میں قصیدہ بھی ایک مشکل صنفِ شاعری ہے۔ متقدمین میں مرزا محمد رفیع سوؔدا اور اُن کے بعد خاقانیٔ ہند، شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کا نمبر ہے۔ مرزا غالبؔ نے بھی بہت اچھے قصیدے کہے ہیں لیکن اپنے ہمعصر ذوقؔ پر اِس فن میں برتری حاصل نہ کر سکے۔ ان حضرات کے قصائد ہجو گوئی یا کسی بادشاہ و رئیس کی مدح سرائی تک محدود رہے۔ نعت گو شعراء میں حضرت امیر مینائی، مولانا کرامت علی شہیدی اور حضرت محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہم نے بہت اچھے قصیدے لکھے ہیں۔ مؤخرالذکر کا قصیدہ لامیہ :-

ع سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

اُردو کی نعتیہ شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی میدانِ نعت میں بہت ہی شاندار اور بےمثال قصائد لکھے ہیں مثلاً :- (۱) قصیدۂ نور (۲) قصیدہ معراج (۳) قصیدہ مرصعہ (حروفِ تہجی) (۴) قصیدۂ نعت در صنعت علم ہیئات وغیرہ۔ اِن قصائد میں بھی فاضلِ بریلوی نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے اور جدّتِ طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ اِن قصائد کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں :-

(۱) قصیدہ نور

یہ قصیدہ انسٹھ ۵۹ اشعار پر مشتمل ہے اور اِس کے سینتالیس ۴۷ مطلعے ہیں۔ یہ نورانی قصیدہ واقعی قصیدۂ نور ہے۔ اِسے پڑھیے تو ایسا معلوم ہو گا جیسے نور کی بھرن برس رہی ہے

سلاست وروانی، زورِ بیان وبرجستگی، روزمرہ ومحاورات اور صنائع بدائع کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ اِس ایمان افروز قصیدے کے مختلف جگہ سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تُو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا
پشت پر ڈھلکا سرِ انور سے شملہ نور کا — دیکھیں موسیٰ طور سے اُترا صحیفہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا — سر جھکاتے ہیں، الٰہی بول بالا نور کا
آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا — مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
ذرّے مہرِ قدس تک تیرے توسط سے گئے — حدِّ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا
چاند جھک جاتا جدھر اُنگلی اُٹھاتے مہد میں — کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
سبزۂ گردوں جھکا تھا بہرِ پابوسِ براق — پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا
عکسِ سُم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند — پڑ گیا سیم و زرِ گردوں پہ سکہ نور کا
دیدِ نقشِ سُم کو نکلی سات پردوں سے نگاہ — پُتلیاں بولیں، چلو آیا تماشا نور کا

اے رضاؔ یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

ب۔ **قصیدہ معراج**: یہ قصیدہ بھی آپ کی جودت وجدتِ طبع کا آئینہ دار ہے۔ حرفِ روی میں کہا ہے، لیکن خوب کہا ہے۔ سرسٹھ ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے اور دو تین گھنٹوں کی معمولی کاوش کا نتیجہ ہے۔ روانی وتسلسل اور زبان کی لطافت وپاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔ اِس مبارک قصیدے کے ظہور میں آنے کی وجہ جماعت اسلامی کے ایک کارکن، جناب عابد نظامی سے سنیئے:۔

"محسنؔ کاکوروی مرحوم نے جب معراج پر اپنا قصیدہ:۔

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

لکھا تو اُسے سُنانے کے لئے بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے پاس گئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سُننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی صاحب کا

(خ) اُف وہ رہِ سنگلاخ، آہ یہ پا شاخ شاخ
اے مرے مُشکل کشا، تم پہ کروڑوں درود

(د) تُم سے کھلا بابِ جُود، تم سے ہے سب کا وجود
تم سے ہے سب کی بقا، تم پہ کروڑوں درود

(ذ) خستہ ہُوں اور تم معاذ، بستہ ہوں اور تم ملاذ
آگے جو شہ کی رضا، تم پہ کروڑوں درود

یہ قصیدہ ساٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اسی طرح بالترتیب حرف "یا" پر ختم ہوتا ہے۔ ہر حرف میں دو، تین، پانچ اور دس تک شعر ہیں۔ غرضیکہ فاضلِ بریلوی نے اپنے ہر قصیدے میں کوئی نہ کوئی جدّت ضرور پیش کی ہے اور اس کے باوصف زبان و بیان کا وہی معیار قائم رکھا ہے جو دیگر اصنافِ سخن میں پایا جاتا ہے۔ ذٰلکَ فضلُ اللہِ یُؤتیہِ من یّشاءُ۔

(د) قصیدہ نعتیہ مشتمل بر اصطلاحاتِ علمِ ہیئت

یہ قصیدہ اصطلاحاتِ علمِ ہیئت میں کہا ہے۔ اگرچہ یہ ایک سو پچپن (۱۵۵) اشعار پر مشتمل ہے مگر ہر شعر میں علمِ ہیئت کی کوئی نہ کوئی اصطلاح موجود ہے۔ افسوس کہ یہ قصیدہ نامکمل ہے مختلف مقامات سے چند شعر پیشِ خدمت ہیں۔

خالقِ افلاک نے طُرفہ کھلائے چمن
اِک گُلِ سوسن (فلک) میں ہیں لاکھوں گل یاسمن (کواکب)

موتیے بیلے کے پھول (نجوم)، زیبِ گریبانِ شام (شمال)
جوہی چنبیل کے گُل (کواکب)، زینتِ جیبِ یمن (جنوب)

وسطِ گلستانِ نہر (فلک)، نہر کے ہر سمت دوب (منطقۃ البروج)
دوب میں بوٹے ہزار (کواکب)، بوٹوں میں دُرِّ عدن (تابش)

منطقِ بالا (میزان) کی فصل، دشمنِ جنسِ نبات (خزاں)
شکلِ سومِ منتج (مقدمۂ سوم)، مُسلبِ لباسِ (جلد کشیدن) چمن (برگ گل)!

جب شہ خاور تُلا، طرفہ یہ صدقہ بٹا
گنج طلا کو کہا، جا سوئے گنج دکن!
سبزہ و گل دل نشیں، محوِ تماشا حسیں
بانوئے اقلیم چیں، دلبر بابل وطن
اُف رے ستم شیشہ باز، قطرہ چھلکتا نہیں
سر پہ سکھے شیشیاں، رقص میں قطرہ زن
دہر من ہفت سر، سایہ پری پر کٹی
قاف سے تا قاف سب حور وشیں خندہ زن
قصرِ پری تک گیا، مشکِ جواہر نما
حُسنِ پری نے کیا، مُشک کو کافور دن

مندرجہ بالا اشعار قصیدے کی تمہید سے لئے گئے ہیں۔ متن کے دو شعر ملاحظہ ہوں:۔

نور سے عذرا میں جب شمس نے تحویل کی
دلو سے نکلے نجوم چاند کا چھوٹا گہن
شوہرِ عذرا ہوا، ابنِ عروسِ عرب
لیلیٰ و سلمیٰ ہوئیں، شمعِ قدم کی لگن

قصیدے کے خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیے اور شاعر کی ذہانت، طباعی اور درّاکی کی داد دیجئے۔ یہ قصائد آپ کے علمی تبحر اور قادر الکلامی کی اچھوتی مثالیں ہیں۔ ان کے پرکھنے کے لئے معیاری علم کی ضرورت ہے۔ ہماری زبان اور اردو ادب ہمیشہ ان قصائد پر ناز کریگا۔

۲ ؛ رباعی : ناخدایانِ کشتیٔ ادب نے تمام اصنافِ سخن میں سے رباعی کو مشکل ترین صنعت قرار دیا ہے۔ اس میں چار مصرعے یعنی دو شعر ہوتے ہیں۔ ہر مصرعہ اپنے پہلے مصرعے سے بلند ہوتا ہے اور چوتھا مصرعہ بلند ترین، جس پر شاعر اپنا مافی الضمیر ختم کرتا ہے۔ اگر شاعر اپنے فن میں مہارتِ تامہ رکھنے والا ہو تو معنوی اعتبار سے رباعی اپنے ہم عنوان مقالے کے ہم پلّہ ہو سکتی ہے۔ اعلیٰحضرت، فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مشکل ترین میدان میں بھی اپنی انفرادیت

قائم رکھتے ہوئے خوب فنی کمال کے جوہر دکھائے ہیں :۔ ختم نبوت کے مسئلہ پر ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں۔

آتے رہے انبیاء کَمَا قِیْلَ لَهُمْ   وَالْخَاتَمُ حَقُّکُمْ کہ خاتم ہوئے تم

یعنی جو ہوا دفترِ تنزیل تمام   آخر میں ہوئی مُہر اَکْمَلْتُ لَکُمْ

چوتھا مصرعہ آیت کے ایک حصے پر کس خوبصورتی سے ختم کیا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ حضور خاتم النبیین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم یعنی بلحاظ آخری زمانہ نبی ہونے کی کتنی خوبصورت دلیل ہے۔ چونکہ ذکر خاتم الانبیاء کا ہے اس رعایت سے الفاظ خاتم، تمام، آخر اور مُہر کتنے خوبصورت نظر آ رہے ہیں۔ اور چوتھے مصرعے میں اَکْمَلْتُ تو ایسے چمک رہا ہے جیسے ستاروں کے جرمٹ میں چودہویں کا چاند۔ ختم نبوت کے مسئلے پر ضخیم کتابیں ایک طرف اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا رباعی دوسری طرف۔ یہ کسی طرح بھی ایک کتاب سے معنویت میں کم نہیں ـــــ یہ رباعی ملاحظہ ہو :۔

شب لحیہ و شارب ہے، رُخ روشن دن

گیسو و شب قدر و برات مومن

مژگاں کی صفیں چار ہیں، دو ابرو ہیں

وَالْفَجْر کے پہلو میں لَیَالٍ عَشْر

مُہرِ نبوت کا اس سے بہتر لفظوں میں اور کیا نقشہ کھینچا جا سکتا ہے۔ تیسرے مصرعے کی بلندی اور چوتھے مصرعے میں بلندی کے ساتھ بیساختگی و برجستگی ملاحظہ ہو۔ یہ سعادت قسام ازل نے شروع ہی سے اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے نصیب میں لکھ دی تھی۔ ـــــ یہ رباعی دیکھئے :۔

بوسہ گہہ اصحاب وہ مہر سامی   وہ شانہ چپ میں اس کی عنبر فامی

یہ طرفہ کہ کعبہ جان و دل میں   سنگِ اسود نصیب رکنِ شامی

کعبۂ جان و دل کے اندر سنگ اسود نصیب رکنِ شامی، یہ الفاظ کے جامے میں ایسا تخیل ہے، جسے وہی شخص پیش کر سکتا ہے جس کی دُور رس نگاہیں عروسِ شریعت کی دلِ پہنائیوں تک پہنچتی ہوں ـــــ مندرجہ ذیل رباعی سے زور ازبان و بیان کی قدرت کا نظارہ کیجیے۔

ہر جا ہے بلندیٔ فلک کا مذکور
شاید ابھی دیکھے نہیں طیبہ کے قصور
انسان کو انصاف کا بھی پاس رہے
گو دُور کے ڈھول ہیں سہانے مشہور

فلک کی رعایت سے طیبہ کے قصور اور بلندی کی رعایت سے دُور کے ڈھول، داد سے بے نیاز ہے ——— درج ذیل رباعی کے تیور بھی ملاحظہ ہوں :۔

ہول کر دو ؟ تو گردوں کی بنا گر جائے
ابرو جو کھنچے تیغ قضا کر جائے !
اے صاحبِ قوسین ! بس اب رد نہ کر
سہمے ہوؤں سے تیرِ بلا پھر جائے

ہول سے گردوں کی بنا گر جانا اور ابرو کھنچنے پر تیغِ قضا کا کرنا۔ قوسین و تیرِ بلا ، میں آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور دبدبہ کی وُہ مثال ہے جس کی نظیر نہیں ملتی ۔ شوکتِ الفاظ سے کیا پُر وقار منظر کشی کی ہے ——— تین رباعیاں اور پیش کی جاتی ہیں، خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے :۔

ہے جلوہ گہہِ نُورِ الٰہی وُہ رُو
قوسین کے مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں یہ نہیں ، سبزۂ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اُس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اُس سایہ کے دو حصے کیے
آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

نقصاں نہ دے گا تجھے عصیاں میرا
غفراں میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس میں تجھے نقصاں نہیں کر دے معاف
جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

آخری رباعی میں سادگیٔ بیان کی لطافت تو دیکھئے۔

اِستدراک

۹۲/۴۸۶

قارئین کرام ! آپ اعلیٰحضرت، فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام شاعری اور اُن کے کلام کے بے مثل فنی محاسن کا سابقہ اوراق میں اچھی طرح جائزہ لے چکے ہیں۔ تاثرات میں مقتدر شعرائے اُردو کی آرا بھی دیکھیں گے جن کی رائے ادبِ اُردو میں خاص مقام اور وزن رکھتی ہے۔ اختلافِ مذہب و عقائد کے باوجود اُن حضرات نے تنقید و تبصرے میں فن کا احترام برقرار رکھا ہے اور عصمتِ قلم کو تعصب و عناد کی نجاست سے آلودہ نہیں ہونے دیا ہے اور آزادانہ اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کیا ہے۔

اِس کے برعکس حالات کی ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ ہمارے مُلک میں کچھ تنگ دل نقاد اور متعصب تبصرہ نگار بھی موجود ہیں۔ ایسے حضرات میں سے ایک جناب ماہر القادری بدایونی مدیر ماہنامہ فاران، کراچی بھی ہیں۔ موصوف نے ملک شیر محمد کے مقالہ بعنوان:۔ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری پر اپنے رسالہ فاران، بابت ماہِ ستمبر ۱۹۷۳ء میں تبصرہ باندازِ تنقید و تنقیص فرماتے ہوئے اشعارِ اعلیٰحضرت پر رکیک اعتراضات جڑے اور بڑے طمطراق سے شائع کئے تھے۔ تعجب ہے کہ نیاز فتح پوری جو فنِ تنقید کے امام مانے جاتے ہیں، اور جن کا موضوع شعر و ادب رہا ہے اور جنہوں نے کلامِ رضا کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے انہیں تو اعلیٰحضرت کے کسی شعر میں کوئی خرابی نظر نہ آئی لیکن ماہر القادری کو غلطیوں کے پہاڑ نہ جانے کہاں سے نظر آگئے۔ منصفانہ اور فاضلانہ تبصرہ تو کلامِ رضا پر آپ ابھی دیکھیں گے لیکن سر دست معاندانہ و متعصبانہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیے ——— فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کی ایک نعت کا مطلع ہے :۔

[1] یہ مقالہ مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے شائع کیا ہے۔ احقر نے ماہر صاحب کے اعتراضات کا جواب دامن کو ذرا دیکھ کے عنوان سے چار قسطوں میں فیضِ رضا لائل پور سے شائع کر دیا تھا۔ اعتراضات مجھے مولانا محمد حنیف نیازی مدیر ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ نے ارسال فرمائے تھے۔ (اختر الحامدی)

(۱)

جو ترے دَر سے یار پھرتے ہیں
در بدر یُوں ہی خوار پھرتے ہیں

ماہر القادری صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ :۔ "یہ دونوں شعر انتخاب میں آنے کے قابل نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضری دے کر جو خوش نصیب واپس آتے ہیں وہ در بدر خوار کیوں پھرنے لگے؟ درِ یار سے پھرتے ہیں کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر صلوٰۃ وسلام کے بغیر یُوں ہی اُلٹے پاؤں واپس آجاتے ہیں، تو شعر کا مفہوم ٹھیک ہوجائے گا۔"

خُدا کا شکر ہے کہ خُود ماہر القادری صاحب نے شعر کے مفہوم کو درست تسلیم کرکے انتخاب میں آنے کے قابل قرار دے دیا۔ پھر معلوم نہیں اعتراض کیوں کیا تھا۔ (۱) رہا ایسے مفہوم کی بنا پر نا قابلِ انتخاب کہنا جس پر محمول کرنے کا کوئی قرینہ نہیں (۲) علاوہ بریں فاضلِ بریلوی نے حدائقِ بخشش یا اپنی کسی دوسری تصنیف میں ایسا خیال ہرگز ظاہر نہیں فرمایا۔ (۳) وہ ایسا کیوں لکھتے جب کہ دو تین مرتبہ خُود وہاں سے لوٹ کر آئے تھے (۴) نیز تمام بزرگانِ دین وہاں سے لوٹ کر آتے رہے۔ ——— ماہر القادری صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ در پر بستر جمانا یا گلی میں پڑے رہنا سے صرف محبوب کا ہو رہنا مراد ہے اور اِن کی ضد دَر سے پھرنا ہے، جس سے مراد، محبوب سے لاتعلق ہونا، مستغنی ہونا، روگردانی کرنا ہے۔ حالی کی مشہور رباعی ہے :۔

اے وقت بگاڑ کا ہے سب سے چارہ	پھر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے اگر ایک تُو ہمارا ساتھی	پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

اِس رباعی کے چوتھے مصرعہ میں پھر جانے کے وہی معنی ہیں جو اِس فقیر نے عرض کئے ——— تو اب اعلٰحضرت کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ جس نے محبوب پروردگار سے روگردانی کی، جو آپ سے پھرا وہ دُنیا میں ذلیل وخوار ہوا، در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرا ———

فاضلِ بریلوی کا ایک شعر ہے :۔

(۲)

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

ماہر صاحب کہتے ہیں کہ مقطع کے مصرعۂ ثانی میں کوئی شک نہیں اُردو کا محاورہ تو نظم ہو گیا مگر غزل میں کُتّے کا لانا خوش ذوقی نہیں ہے ——— اگر ماہر القادری صاحب کو یہ لفظ اپنے ذوق کے خلاف نظر آیا تو انہیں چاہیئے تھا کہ اِسے کاف مکسور سے پڑھ لیتے اور اپنا ذائقہ خراب نہ ہونے دیتے ——— قدسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر تو موصوف نے بارہا سُنا ہوگا:۔

نسبتِ خُود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

خیر! یہ غیر مُلکی شاعر کا شعر ہے اور غیر مُلکی زبان میں ——— بانیٔ مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی (المتوفیٰ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) کے تین شعر ملاحظہ ہوں:۔

۱؎ اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید یہ ہے
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

۲؎ جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

۳؎ جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے
کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

شاید سگ اور کُتّے میں موصوف کے نزدیک بھی کوئی معنوی فرق نہ ہوگا ——— حضرت استاذ الشعراء، مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ماہر القادری صاحب یوں رقمطراز ہیں:۔

"مولانا احمد رضا خاں کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بھی بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔" [1]

---

[1] ماہنامہ فاران، کراچی، بابت ستمبر ۱۹۷۷ء

ماہر صاحب کے ممدوح مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے اِسی سلسلے میں دو شعر ملاحظہ ہوں:

ا؎ خُدا سگانِ نبی سے یہ مجھ کو سنوا دے
ہم اپنے کتوں میں تجھ کو شمار کرتے ہیں

۲؎ سگانِ کوئے نبی کے نصیب پر قرباں
پڑے ہوئے سرِ رہ افتخار کرتے ہیں

ماہر القادری صاحب اعتراض کرتے وقت اتنا تو مدِنظر رکھتے کہ یہ مطلق غزل گوئی نہیں، بلکہ میدانِ نعت ہے۔ یہاں کسی فرضی محبوب کے فرضی مظالم اور خیال حسن و جمال پر طبع آزمائی نہیں ہوتی بلکہ اُس مقدس ہستی کا ذکرِ جمیل کیا جاتا ہے جس کی غلامی ہی سندِ سرفرازی اور رشکِ شہنشاہی ہے۔ اُس دَر کے کتوں میں شمار ہو جانا بڑی خوش قسمتی ہے ——— اعلٰحضرت کا شعر ہے:۔

(۳)

بڑھ چلی تیری ضیا اندھیر عالم سے گھٹا
کھُل گیا گیسو ترا، رحمت کا بادل گھِر گیا

فرماتے ہیں ماہر القادری صاحب کہ: ——— مصرعۂ ثانی بہت خوب ہے مگر پہلا مصرعہ یا تو غلط کتابت ہوا ہے اور اگر کتابت میں یُوں ہی مذکور ہے تو اندھیر کے نون غنہ کو اعلانِ نون کے ساتھ پڑھنا پڑے گا اور اندھیرا عالم سے گھٹا اور زیادہ قابلِ اعتراض ہے۔ گھٹا یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے مولانا رضا بریلوی نے چھٹا نظم کیا ہوگا" ———

ہماری جانب سے مصرعۂ ثانی کو پسند کرنے کا شکریہ۔ ساتھ ہی نون مُعلن اور نون غنہ کی بارگاہوں میں شدِ رحال کر کے حاضر ہونے، درست لفظ کو غلط اور قابلِ اعتراض منوانے کی مہم میں اِن سے استمداد کرنے کا یہی صلہ دیا جا سکتا ہے کہ موصوف جس لفظ کو اندھیرا پڑھ رہے ہیں حقیقت میں وہ اندھیر ہے، جس کے پیشِ نظر ماہر صاحب کی ساری بحث ہیر پھیر ہے۔ ہاں لفظ اندھیر پر اگر موصوف کو کوئی اعتراض ہے تو بغور مرزا غالب کا یہ شعر پڑھ لیں:۔

ا؎ ذوقِ نعت: مجموعہ نعتیہ کلام مولانا حسن رضا خاں بریلوی

کہا کہوں تاریکیٔ زندانِ غم اندھیر ہے
پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں (غالب)

ایک شعر اپنے ہم عصر احسان دانش کا بھی دیکھیئے :- ؎

شام کے اندھیر میں دن کا اُجالا کھو گیا
آگ کے چوگرد دہقانوں کا جمگھٹا ہو گیا

(نظم دیہات کی شام)

رہی لفظ گھٹا اور جھٹا کی بحث تو گھٹا جو معنی پیدا کر رہا ہے وہ جھٹا پیدا نہیں کرتا بلکہ جھٹا سے شعر کی جمالیاتی کشش ہی چلی جاتی ہے۔ تعجب ہے کہ ماہر صاحب شاعر ہوتے ہوئے اس شعر کے محاسنِ شعری سمجھنے سے قاصر رہے یا تعصب و عناد کی عینک سے تارِ نظر کو شعر کی باریکیوں تک نہ پہنچنے دیا —— لفظ گھٹا اس شعر کی جان ہے اور اس نے شعر کو اور بھی چمکا دیا ہے۔ اس کے علاوہ رعایت لفظی، صنعتِ تضاد، تشبیہ، نشستِ الفاظ اور حسنِ بیان کی خوبی و خوبصورتی نے شعر کو خوب سے خوب تر بنا دیا ہے۔

شعر کے مصرعۂ اولیٰ میں بڑھ چلی، بڑھنے کی رعایت سے اُس کی ضد مصرعہ کا آخری فقرہ گھٹا (کم ہوا، دُور ہونے لگا) کتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ (جسے ماہر صاحب جھٹا سے تبدیل فرما رہے ہیں۔) ساتھ ہی اندھیر (تاریکی کی ضد) ضیا (روشنی)۔ دوسری طرف اندھیر (تاریکی) کی مناسبت سے گھٹا (سیاہ بادل) کے معنی دے رہا ہے۔ پھر اسی لفظ گھٹا کی مناسبت سے مصرعۂ ثانی میں کہا جا رہا ہے :-

کھل گیا گیسو ترا رحمت کا بادل گھر گیا

اب یہاں گھٹا کے معنی ہو گئے برسات کی گھٹا اور اس رعایت سے گیسو، بادل، کتنے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ تشبیہ کا حُسن تو ملاحظہ ہو کہ اندھیر بہ معنی تاریکی، سیاہی۔ پھر گھٹا بھی سیاہ، گیسو بھی سیاہ، بادل بھی سیاہ، پھر گیسو کا کھلنا وہی گھٹا کی رعایت و مناسبت اور رحمت کا بادل گھرنا (رعایت لفظی)، گیسو کی رعایت سے کیسا حسین منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جس کی خنکی قلب و رُوح کی گہرائی تک محسوس ہو رہی ہے۔

(۴)

پھرے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کون

ماہر صاحب اعتراض فرماتے ہیں کہ اس غزل کے شعر انتخاب میں آنے کے قابل نہ تھے، یہ کمزور غزل ہے ——— اس سے پہلے کہ جواباً ہم کچھ عرض کریں پاک و ہند کے منجھے ہوئے ادیب و شاعر اور ملک کے مشہور نعت گو، حضرت شاعر لکھنوی کی رائے اس نعت کے متعلق پیش کی جاتی ہے کیوں کہ موصوف لکھنؤ سکول کے نمائندے شاعر ہیں لہٰذا۔

ع مستند ہے جن کا فرمایا ہوا

موصوف فرماتے ہیں :-

"غالب کی مشہور غزل کا مصرعہ ہے :-

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ذرا اس میں بھی حضرت رضا کی مشاقی ملاحظہ ہو :-

پھرے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالب نے تو پاسبان عقل کو دل کے پاس رکھنے کا مشورہ دے کر چونکا دینے والی بات کہی تھی مگر حضرت رضا بریلوی نے :- دل کو جو عقل دے خدا ——— کہہ کر اس خیال کو اور آگے بڑھا دیا" [۱]

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ ماہر صاحب کی شاعرانہ کمزوری ہے یا کم علمی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موصوف کو اس غزل میں بعض ایسی کمزوریاں نظر آئی ہوں جیسے بس کے کسی مسافر نے عبارت :- کتابچہ شکایات ڈرائیور کے پاس ہے۔ پڑھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ :- ڈرائیور کے پاس کتا بچہ رکھنے کی آخر ضرورت کیا تھی ؟ یا کسی علامہ دوراں نے ایک صاحب کے قلمی نسخۂ قرآن کریم میں اصلاح فرمائی تھی، یعنی انہوں نے خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا کو کھرچ کر موسیٰ کی جگہ عیسیٰ

---

[۱] تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی کا منصب، ص ۷، ۲ مصنفہ حضرت شاعر لکھنوی

بنا دیا کیوں کہ موصوف نے اُردو کی متعدد کتابوں میں خرِ عیسیٰ پڑھا تھا۔ دوسری جگہ نَعَمَی اٰدَمُ رَبَّہٗ، پر نظرِ تحقیق جا ٹھہری تو لفظِ آدم کو جلدی سے مٹایا اور اُس کی جگہ موسیٰ لکھا، کیونکہ محقق یگانہ کے مطالعہ میں عصائے موسیٰ تو بارہا آیا تھا لیکن عصائے آدم کا ذکر کبھی نظروں سے نہیں گزرا تھا، لہٰذا اسے مٹا کر کیوں نہ ثوابِ دارین حاصل کرتے ——— نہیں معلوم ماہر القادری صاحب کو فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ غزل کے متعلق اور کتنی ہی غلطیاں اور کمزوریاں ملی ہوں گی ——— فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کی نعت گوئی کے متعلق ماہر القادری صاحب کے ہم عصر، جماعت اسلامی کے کارکن، جناب عابد نظامی کی رائے یہ ہے :-

"مولانا احمد رضا خاں بریلوی جس پائے کے انسان اور جس مرتبے کے جید عالم تھے شاعری اُن کے لئے طرۂ امتیاز اور شرف کمال نہیں بن سکتی لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے جو بلند پایہ نعتیں لکھی ہیں، اُن سے کوئی اُن کا مخالف بھی صرف نظر نہیں کر سکتا۔ مولانا برِ صغیر پاک و ہند میں اُس تحریک کے حامی اور اُس نصب العین کے علمبردار تھے جس نے ایک خاص وقت میں عشقِ رسول کا نعرہ بلند کیا۔ مولانا سے اختلاف رکھنے والے ممکن ہے آپکو بہت سے ملیں گے یہ ناممکن ہے کہ اُن کے کمالِ نعت گوئی سے کسی کو اختلاف ہو۔ مولانا کی نعت گوئی میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں، ویسے ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن کم از کم مجھے آج تک پڑھے لکھوں میں مولانا کی نعت گوئی سے اختلاف کرنے والا کوئی نہیں ملا" [۱]

اپنے ہی ہم مسلک عابد نظامی صاحب کی مذکورہ رائے کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ ماہر القادری صاحب اپنے آپ کو پڑھے لکھوں میں شمار کرتے ہیں یا جاہل اور ہٹ دھرم لوگوں میں ——— اعلیٰحضرت فرماتے ہیں :-

(۵)

ے جان ہے عشقِ مُصطفےٰ، روز فزوں کرے خُدا ؛ جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں

---

[۱] ماہنامہ عرفات لاہور : بابت اپریل ۱۹۷۰ء : ص ۱۱

ماہر صاحب اِس شعر پر فنِ تنقید کی مہارت یُوں دکھاتے ہیں :۔ ــــــ "دوا کا ناز کون اُٹھاتا ہے ؟ ناز تو طبیب کے اُٹھائے جاتے ہیں" ــــــ لیکن اِسی شعر پر جناب شاعر لکھنوی کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے، انہوں نے فرمایا ہے :۔ ــــــ "اِس زمین میں یہ شعر پڑھیے اور وجد کیجئے :۔

جاں ہے عشقِ مُصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جسکو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اُٹھائے کیوں

نازِ دوا اُٹھائے کا ٹکڑا کیفیّتِ عشق و عمق کو ظاہر کر رہا ہے۔" ؎

شاعر لکھنوی تو اعلٰحضرت کے مذکورہ شعر پر وجد کر اُٹھے کیوں کہ موصوف کی وسعتِ نظر فاضلِ بریلوی کے عمق عشق کو پا چکی ہے لیکن جناب ماہر کی کوتاہ بینی تعصب و عناد کی وادیوں میں بھٹک رہی ہے، وُہ تو خیر گزری کہ موصوف کوتاہ نظر ہی واقع ہوئے ہیں، اگر اُن کی نگاہِ عیب جو مرزا غالب تک پہنچ جاتی اور اُن کا یہ شعر سامنے آجاتا ہے :۔

دردِ منّت کشِ دوا نہ ہُوا
میں نہ اچھا ہُوا، بُرا نہ ہُوا

تو فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے مندرجہ ذیل شعر پر تو صرف ایک ہی اعتراض کیا تھا لیکن مرزا غالب کے اِس شعر پر پورے دو اعتراض جڑ دئیے جاتے ہیں، یعنی :

(۱) دوا کا منّت کش کون ہوتا ہے ؟ منّت کش تو طبیب کے ہوتے ہیں

(۲) درد کب منّت کش ہوتا ہے ؟ منّت کش تو مریض ہوتا ہے

معلوم نہیں ماہر صاحب تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہیں یا وُہ اِس کوچے ہی سے نابلد ہیں۔ اگر اس اعتراض کی بنیاد بے خبری ہے تو حالی کے یہ دونوں شعر پڑھنے مفید رہیں گے :۔

دِل کو دردآشنا کیا تُونے — دردِ دِل کو دَوا کیا تُونے
تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں — غم کو راحت فزا کیا تُونے

ساتھ ہی یہ بھی عرض کردوں کہ یہ مقاماتِ عشق ہیں۔ شاعرِ عشق کے اُس ارفع و اعلےٰ مقام پر فائز ہے جہاں عشقِ مُصطفےٰ نہ صرف جزوِ زندگی بلکہ مجسّم زندگی ہے۔ وہ اضطرابِ عشق اور خلوصِ

ؔ؎ تاریخ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی کا منصب صہ ۲۷

درد سے تڑپتا نہیں بلکہ لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ کہتا رہتا ہے :۔

جس کو ہو درد کا مزہ ، نازِ دوا اُٹھائے کیوں

یہ ایمانی جذبات کی وہ انمول باتیں ہیں جو ماہر صاحب کے ہم مسلک لوگوں کی سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں اِن کو دیکھنے کے لئے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عشق و مستی میں ڈوبی ہوئی آنکھیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے شعور و ادراک کی ضرورت ہے ، جب کہ وہابیت ایسے ہی ایمانی جذبات کے خلاف اُٹھنے والی سراسر غیر اسلامی شرارت کا نام ہے ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو راہِ ہدایت نصیب فرمائے (آمین) ۔ شعر ہے :۔

(۶)

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہارا ، عصائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اعتراض فرمایا جاتا ہے :۔ گرے ہوؤں کا یا گرتوں کا ہونا چاہیئے تھا ۔

ماہر صاحب کا یہ اعتراض بھی بے دلیل ہونے کے باعث پھسپھسا معلوم ہوتا ہے ۔ ظاہر فرماتے کہ گروں کا کہنے سے کون سا نقص پیدا ہوگیا ہے ۔ یہ لفظ تو روزمرہ استعمال میں آتا ہے کہ فلاں بہت گرا انسان ہے ، یہ تو گری سی بات ہے ——— انسان بُت پرستی اور جہالت کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا ، وہ انسانیت کی بلندی سے پستی میں گرا ہوا تھا ۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عصائے رحمت کے سہارے یہ گرا انسان ، ایمان و صداقت ، خلوص و محبت اور مساوات و اخوت کی ارفع و اعلیٰ منزل پر فائز ہوا ——— کیا لفظ گروں نے کہیں نقص پیدا کیا ؟

(۷)

سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے ، دل کو قرار آئے کیوں

ماہر صاحب فرماتے ہیں :۔ ” ژولیدہ اندازِ بیان اور زبان و روزمرہ کے اعتبار سے بھی کمزور ہے ۔“

کیا ہی اچھا ہوتا ہے کہ ماہر القادری صاحب کی نظر میں جو ژولیدگی اور زبان و روزمرہ کی کمزوری آئی تھی، اُس کا اظہار کر دیتے تاکہ ہم بخوبی کچھ عرض کر سکتے۔ یہ تو ماہر صاحب بھی بخوبی جانتے ہیں کہ جس دعوے کی دلیل پیش نہ کی جائے اُس کی عقلاء کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، کیونکہ مبہم اور مہمل جرح ناقابلِ قبول ہوتی ہے ——— جن اشعار کو ماہر صاحب سمجھنے سے عاجز رہ جاتے ہیں اُن پر اپنے جذبۂ دل سے مجبور ہو کر اعتراضات کی چھری رکھ دیتے ہیں ورنہ جس امام الکلام کے کلام کو نیاز فتحپوری جیسے نقادِ فن نے بالاستیعاب پڑھا اور اُس کی انفرادیت کو تسلیم کیا، کوثر نیازی نے جسے نعت گوئی کا امام مانا، آج اُسی شہنشاہِ ملکِ سخن کے کلام میں زبان و روزمرہ کی غلطیاں نکالنے وہ صاحب نکلے ہیں۔ جن کا شمار تین میں ہے نہ تیرہ میں۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا شعر ہے:۔

(۸)

گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی
ڈوبا ڈوبا اُتار آقا

ماہر صاحب اعتراض داغتے ہیں :۔ پھنس گئی کا محل تھا۔

گویا پڑ گئی ماہر صاحب کے نزدیک بے محل ہے۔ یعنی اگر کسی سے کہا جائے کہ تشریف رکھئے تو ماہر صاحب فرمائیں گے کہ بیٹھ جائیے کا محل ہے۔ شاید محاورات سے موصوف کو چڑ ہے۔ مرزا غالب اور خواجہ حالی کے چند اشعار پیش کر کے دیکھتے ہیں کہ ماہر صاحب ان میں کن کن لفظوں کے محل اور تاج محل بتائیں گے۔ غالب کا شعر ہے :۔

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
منظور اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

جناب الطاف حسین حالی کہتے ہیں :۔

اے شعر راہِ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا — اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو (ہو لیا)
عزت سے اپنی یاروں کو کچھ آ پڑی ہے ضد — چھوڑیں گے نیم جاں کو نہ بے جاں کیے بغیر (ہو گئی)
فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا — مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ (لگتی)
گرمی ہے تند و تلخ، پہ ساقی ہے دلربا — اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر (کر سکوگے)

میرا خیال ہے کہ مندرجہ بالا اشعار کی اصلاح بھی ماہر صاحب ضرور کریں گے اور گمان غالب ہے کہ اصلاح کے الفاظ بھی وہی ہوں گے جو راقم الحروف نے قوسین میں ہر شعر کے سامنے اُن کی سہولت کے لئے درج کر دیئے ہیں۔

(۹)

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے
اصلِ مراد حاضری اِس پاک در کی ہے

فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کے مندرجہ بالا شعر پر جب ماہر القادری صاحب کوئی فنی اعتراض نہ کر سکے تو قادریت کے مصنوعی نقاب کو نوچ نارچ کر اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ جھنجھلاتے ہوئے فتویٰ صادر فرماتے ہیں:۔

اگر کوئی شخص اِس نیّت سے حج کے لئے جائے کہ اصل مقصود تو روضۂ رسول کی زیارت ہے، اِس کے طفیل اور ضمن میں حج بھی سہی، تو اُس کا حج ہی مشکوک رہے گا۔ مسجد نبوی اور روضۂ رسولؐ کی زیارت، سعادت و شرف کی معراج، مگر قرآنِ پاک میں حج کو فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ زیارتِ روضۂ رسولؐ ارکانِ حج میں شامل نہیں ہے، چہ جائیکہ فریضۂ حج کو زیارتِ روضۂ رسول کا ضمیمہ سمجھا جائے۔"

ماہر صاحب کی دیانت داری تو ملاحظہ ہو کہ کیسی سادہ لوحی سے عوام الناس کو بہلانے نکلے ہیں۔ موصوف نے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے وہ اشعار تحریر نہ کئے جو اِس شعر کے بعد ہیں اور جن میں اپنے قول کی صداقت پر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے ہیں، نہ جانے کس مصلحت کے تحت اُن سے چشم پوشی فرمائی گئی۔ وہ اشعار یہ ہیں:۔

مولیٰ علیؓ نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر، سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیقؓ بلکہ غار میں جاں اُس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غُرر کی ہے

ہاں تُو نے اُن کو جان اُنہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں،
اصل الاُصول بندگی اِس تاجور کی ہے

مجرم بلائے آئے ہیں جآؤُکَ ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

بد ہیں مگر انہیں کے ہیں، باغی نہیں ہیں ہم　　نجدی نہ آئے انکو یہ منزل خطر کی ہے

یہاں مولیٰ علی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حدیث کے دو واقعات کہے۔ قول کی تاویل کرلی جاتی ہے مگر اُس فعل کی کیا تاویل ہوسکتی ہے جس کی صحت و صداقت پر بارگاہِ رسالت سے مہر ثابت لگ چکی ہو۔ اگر جناب ماہر القادری صاحب اُس وقت وہاں موجود ہوتے تو کچھ بعید نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یوں فہمائش کرنے لگتے:۔

۱: حضرت! نمازِ عصر ہرگز قضا نہ کیجئے کہ اس کی محافظت کا حکم تو دیگر سب نمازوں سے مؤکد ہے۔

۲:۔ باری تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے حبیب کی نیند پر نماز قربان کر دیا کرنا۔

۳:۔ دانستہ نماز ترک کرنے والا بموجب حدیث پاک مَنْ تَرَکَ الصَّلوٰۃَ (الی آخرہٖ) عملاً اپنے ادعائے اسلام کی تغلیط کرتے اور کفر کی حد میں داخل ہوجاتے ہیں

مگر مولائے کائنات کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اپنی نمازِ عصر کو آقائے نامدار پر قربان کرکے بارگاہِ رسالت کی حاضری کا مقام واضح کر دکھایا۔ معراج المؤمنین کو شبِ اسریٰ کے دولہا پر قربان کر دیا تو مہربان آقائے شبِ اسریٰ کی اِس سوغات سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذرا بھی محروم نہیں رہنے دیا بلکہ سورج واپس لوٹا کر وہ فوت شدہ نماز بھی وقت کے اندر ادا کر دی۔ سبحان اللہ!

اُدھر یارِ غار صدیق اکبر کے انگوٹھے کو سانپ متعدد بار ڈس چکا ہے مگر پیر کو سوراخ سے نہیں ہٹایا۔ جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں۔ زہر جسم میں سرایت کر رہا ہے۔ مگر سرکارِ مدینہ کے آرام میں فرق نہ آنے دیا۔ شدتِ تکلیف سے پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر یارِ غار کی پیشانی سے چند قطرے ڈھلک کر گرے۔ چشمِ رحمت وا ہوئی۔ یارِ غار نے حال عرض کیا، آقا نے لعابِ دہن لگایا، زہر کا اثر زائل ہوا اور فوراً آرام ہوگیا۔ جان جانے کا خطرہ شدید تھا لیکن جان واپس مل گئی۔ سبحان اللہ!

اعلیٰحضرت قدس سرہٗ وضاحت فرماتے ہیں کہ جس نے مولائے کائنات حضرت علی

اعلیٰحضرت بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہیں :۔

(۱۰)

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دوجہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

ماہر صاحب کا ارشاد ہے :۔ "مصرعۂ ثانی میں شعریت کی کمی ہے۔"
مندرجہ بالا شعر اعلیٰحضرت کی اُس نعت کا ہے جس کا مطلع ہے :۔

وُہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اِس نعت سے متعلق ابوالاثر حفیظ جالندھری کی رائے سلطان الواعظین حضرت علامہ ابوالنور محمد بشیر صاحب مدظلہ العالی کوٹلوی کی زبانی سنیئے اور ماہر صاحب کے تبصرے کو شاعرِ اسلام، ابوالاثر حفیظ صاحب کی رائے اور تبصرے کی روشنی میں دیکھئے۔ موصوف نے لکھا ہے :۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ بھیرہ کے سالانہ اجتماع میں اعلیٰحضرت کی میں نے یہ نعت :۔

وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

پڑھی، اِس اجتماع میں ابوالاثر حفیظ جالندھری بھی موجود تھے، وُہ مجھ سے بصد اشتیاق پوچھنے لگے، صاحب! یہ نظم کس کی ہے؟ یہ تو کوئی استاذ الاساتذہ معلوم ہوتے ہیں ..... میں نے کہا، یہ نعت اعلیٰحضرت کی ہے۔ ابوالاثر صاحب بے حد متأثر ہوئے اور کہنے لگے کہ شاعری اِسی کا نام ہے۔"[1]

[1] ماہنامہ ماہِ طیبہ، کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ، بابت نومبر ۱۹۵۲ء

جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری جس نعت کو سُن کر صاحبِ نعت کو استاذ الاساتذہ قرار دے رہے ہیں اُسی نعت کے ایک شعر میں ماہر صاحب کو کمی نظر آرہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :۔ شاعری اسی کا نام ہے ——— یہ کہتے ہیں کہ :۔ ——— شعریت کی کمی ہے ——— وہ کمی جو جناب حفیظ جالندھری صاحب کو نظر نہ آئی اگر ماہر القادری صاحب اُس کا مکمل اظہار فرما دیتے تو ہمیں بھی کچھ عرض کرنے کا موقع ملتا۔ معلوم نہیں موصوف شرما کیوں گئے۔ خیر اُن کی مرضی ——— اعلحضرت علیہ الرحمہ کا ایک شعر ہے :۔

(۱۱)

یہی ہے اصلِ عالم، مادۂ ایجادِ خلقت کا
یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

ماہر القادری صاحب کہتے ہیں :۔ "اللہ تعالیٰ عدم سے کائنات کو وجود میں لایا۔ قرآن کریم یہ نہیں بتاتا کہ کسی فرشتے، نبی اور رسول کے مادّے یا جوہر سے خلقت وجود میں آئی"۔

اپنے کُلیے کی رُو سے کیا ماہر صاحب پانچوں نمازوں کے اوقات، ادائیگی نماز کا طریقہ، اَموالِ نصاب کی حدود، زکوٰۃ کی مختلف شرحیں اور اذان و اقامت حتّٰی کہ کلمۂ طیبہ تک کے بارے میں بتا سکیں گے یہ چیزیں انہوں نے قرآن کریم کی کونسی آیت سے معلوم کی ہیں؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین تو قرآن کریم سیکھنے میں سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محتاج تھے کیوں کہ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ اسی جانب مُشیر ہے۔ کیا احادیث سے روگردانی کر کے ماہر صاحب نے جملہ مضامینِ قرآن سمجھ لئے ہیں؟ جب متعدد احادیث میں موجود ہے کہ کائنات کا وجود نبیِٔ اکرم، نورِ مجسّم، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے ہے بایں ہمہ اسے جھٹلانا عقیدۂ توحید کی حفاظت کہلائے گی یا عقیدۂ رسالت کے خلاف ابلیسی شرارت؟

ماہر صاحب اگر مذہبِ حقہ اہلسنّت و جماعت سے برگشتہ ہیں تو کم از کم مولوی اشرف علی تھانوی کی بات تو مان لیتے۔ موصوف نے نورِ محمدی کے اوّل الخلق اور باعثِ ایجادِ خلقت ہونے کے ثبوت میں سات روایتیں پیش کی ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے :۔

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نورِ الٰہی اُس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرتِ الٰہی سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، سیر کرتا رہا اور اُس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی نہ دوزخ تھا اور نہ فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا نہ چاند تھا اور نہ جن تھا نہ انسان تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اُس نور کے چار حصے کئے اور ایک حصے سے قلم پیدا کیا ہے دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ آگے طویل حدیث ہے۔" [1]

یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس کے بارے میں تھانوی صاحب نے مزید یوں وضاحت کی ہے:۔

اِس حدیث سے نورِ محمدی کا اوّل الخلق ہونا باوّلیتِ حقیقیہ ثابت ہوا۔ کیونکہ جن اشیاء کی نسبت روایات میں اوّلیت کا حکم آیا ہے اُن اشیاء کا نورِ محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔" [2]

کیا فرماتے ہیں ماہر القادری صاحب نشر الطیب کی اِس روایت کے بارے میں اور کیا فتویٰ ہے تھانوی صاحب کے متعلق؟ ———— اعلیٰحضرت کا شعر ہے:۔

(۱۲)

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے ظاہر، وہی ہے باطن
اُسی کے جلوے، اُسی سے ملنے، اُسی سے، اُس کی طرف گئے تھے

---

[1] نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی: ص ۶، ۷ [2] ایضاً: ص ۷

فرماتے ہیں ماہر القادری صاحب :۔ هُوَ الْاَوَّلُ هُوَ الْاٰخِرُ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ
اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، بندوں کے لئے چاہیئے وہ سید الاولین والآخرین ہی کیوں نہ ہوں اس قسم کے مبالغہ سے اجتناب چاہیئے۔ شعر و تصوف کے نکتوں نے توحید خالص کو غبار آلود کیا ہے۔ شب معراج اللہ تعالیٰ کے جلووں کو نہیں بلکہ عبدہٗ کو اسریٰ کا شرف حاصل ہوا تھا۔"

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے مذکورہ شعر پر ماہر القادری صاحب کا تبصرہ اُن کے مخصوص مذہبی اندازِ فکر کا آئینہ دار ہے بالخصوص خط کشیدہ عبارت کے تیور موصوف کو پوری طرح بے نقاب کر رہے ہیں۔ شعر کے مصرعۂ ثانی کے الفاظ، اُسی کے اور اُسی سے ملنے وغیرہ سے بالکل واضح ہے کہ مذکورہ الفاظ باری تعالیٰ کے لئے استعمال کئے ہیں۔ اس کے باوجود اگر ماہر القادری صاحب مصرعۂ اولیٰ کے الفاظ محبوب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں تو چلئے یونہی سہی۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا ایک ایمان افروز شعر سُن لیجئے :۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

علامہ اقبال نے اس آیۂ مبارکہ کو نہ صرف حضور کی صفت قرار دیا بلکہ ذاتِ بابرکات، مظہرِ عین ذات، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سراپا قرآن و فرقان اور یٰسین و طٰہٰ بتایا ہے ——

ماہر صاحب ہمت کر کے مدارج النبوۃ کی اصلاح بھی فرمادیں کہ خاتم المحققین، سیدنا شاہ عبد الحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) نے اپنی اس تصنیف لطیف کے خطبہ میں آیۂ مبارکہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ لکھ کر انہیں سرکارِ دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات بھی قرار دیا ہے۔ یہ وہی شیخ محقق ہیں جن کا مدّاح و معتقد بلکہ در یوزہ گر سارا ولی اللّٰہی خاندان ہے —— اسی طرح حضرت مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا میں علامہ تلمسانی سے ناقل ہیں کہ :۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے روایت ہے ہے، حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے جبریلؑ نے آکر یوں سلام کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اٰخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ

یَا ظَاہِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا بَاطِنُ قربان جائیے دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کے معلوم تھا کہ میری اُمت میں ماہرالقادری جیسے معترض بھی ہوں گے ! ارشاد ہوتا ہے ، اے جبریل ! یہ تو خالق کی صفات ہیں مخلوق کو کیوں کر مل سکتی ہیں ؟ عرض کی ، میں نے خدا کے حکم سے حضور کو یوں سلام عرض کیا ہے ۔ اُس نے حضور کو ان صفتوں سے فضیلت اور تمام انبیاء و مرسلین پر خصوصیت بخشی ہے ۔ اپنے نام و صفت سے حضور کے لئے نام و صفت مخصوص فرمائے ہیں ۔“ [1]

ماہر صاحب ! آقائے نامدار کا اِس سلسلے میں حیرت انگیز ارشادِ گرامی بھی ملاحظہ فرما لیجئے اور کہتے جائیے کہ اصل میں توحیدِ خالص کو سید الانبیاء ہی غبار آلود کر گئے تھے کہ نجدیوں والی جمہ توحید کی جڑیں وہی تو کاٹ کر رکھ گئے تھے ۔ حضور علیہ السلام کا ارشادِ اقدس ملاحظہ ہو ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنِیْ عَلٰی جَمِیْعِ النَّبِیِّیْنَ حَتّٰی فِیْ اِسْمِیْ وَ صِفَتِیْ [2]	تعریف اُس خدا کی جس نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی ، یہاں تک کہ میرے نام و صفت کے ساتھ ۔

اِن دلائل کی روشنی میں ماہر صاحب غالباً اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے شعر کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے اَب رہا ماہر صاحب کا یہ فرمانا کہ : ———— ”عبدہٗ کو اسریٰ شرف حاصل ہوا تھا“ تو گذارش ہے کہ یہ بھی جناب کا محض تکلف ہے کیوں کہ عبدہٗ ماننا کیا ، جناب کے ہم مشرب تو اپنے جیسا بشر بتانا اور بھائی تک کہنا عقیدۂ رسالت کا تقاضا سمجھتے ہیں ۔ عبدہٗ کون ہے ؟ کیا ہے ؟ عبدہٗ کا مقام کیا ہے ؟ ذرا مفکرِ اسلام علامہ اقبال سے پوچھیے :-

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو	نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب	گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے وجود میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے وجود سے فروغ	ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود	فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

---

[1] شرح شفا القاری   [2] ایضاً

اب باقی رہ جاتا ہے ماہر القادری صاحب کا خالص توحید کو غبار آلود کرنے کا شکوہ۔ تو اس سلسلہ میں ہماری گذارش یہ ہے کہ ہمارے امام اہلسنت، مجدد دین وملت، فاضل بریلوی قدس سرہٗ تو محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی توحید کے علمبردار تھے۔ یہی توحید مسلمانوں نے اپنے آقا سے سیکھی اور نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے کو سکھاتے آئے۔ اگر اس توحید کے بیان کرنے سے آپ کی ماڈرن توحید غبار آلود ہوتی ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور۔

ماہر صاحب اسلامی توحید کے بیان پر تو اس قدر چراغ پا ہیں مگر پردہ اٹھا کر کبھی اپنی ماڈرن توحید کے خدوخال شاید نہیں دیکھے۔ لیجئے درشن کر لیجئے اپنی ماڈرن توحید کے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی وفات پا چکے ہیں، ان کے خلیفۂ اعظم، مولوی محمود الحسن دیوبندی مرثیہ پڑھ رہے ہیں اور ترتیب وار موصوف کے سارے مدارج یوں بیان کر رہے ہیں۔ ذرا کان کھول کر سن لیجئے:۔

جنید و شبلی ثانی ابو مسعود انصاری
رشید دین وملت، غوث اعظم، قطب ربانی

ان حضرات کے نزدیک مولوی رشید احمد گنگوہی تو ضرور غوث اعظم تھے حالاں کہ جب سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (المتوفی ۵۶۱ ھ) کے لیے جب سُنّی مسلمان لفظ غوث اعظم استعمال کرتے ہیں تو وہابیہ کا پورا گروہ اُسے کافر و مشرک قرار دینے پر متفق الرائے ہو جاتا ہے۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ ماڈرن توحید کے بعض مغلوب الحال علمبردار علماء نے تو آج کل باری تعالیٰ کے لئے بھی یہی لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اور وہ کہا کرتے ہیں کہ غوث اعظم جل جلالہٗ یوں فرماتا ہے۔ —— بہر حال گنگوہی صاحب کی شان صرف یہی نہیں کہ وہ غوث اعظم تھے بلکہ بتایا گیا ہے کہ اُن کے مرتبہ تو صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی زائد تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہئے عجب کیا ہے
شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی

بات یہیں پہنچ کر ختم نہیں ہوئی بلکہ انہیں اپنے دور کا یوسف علیہ السلام اور مسیحائے زماں

بھی بتایا گیا ہے :۔

مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو
چھپا چاہِ لحد میں وائے قسمت ماہِ کنعانی

مسیحائے زماں کے ساتھ لفظ فلک قابلِ غور ہے۔ حضرت مسیح یعنی عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ وُہ اپنے رب کی قدرت سے آسمان پر گئے۔ مگر دیوبندیوں کے مسیحائے زماں اپنے مریدین و متعقدین کو چھوڑ چھاڑ کر خود ہی فلک پر پہنچ گئے۔ لفظ فلک پر زور دیکھئے ـــــ لیکن بس یہاں بھی نہ ہوئی کیوں کہ اس طرح تو گنگوہی صاحب صرف بعض انبیاء کرام کے برابر ہی رہتے ہیں جب کہ مقصود اُن کی شان سب سے بڑھانا ہے، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام سے موازنہ کر کے دکھایا جاتا ہے کہ وہ تو صرف مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے لیکن گنگوہی صاحب کی مسیحائی اُن سے بہت آگے ہے۔ کہ یہ : ـــــ (۱) مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں (۲) زندوں کو مرنے نہیں دیتے۔ (یہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کی نفی کی جا رہی ہے)۔ چنانچہ اپنی ماڈرن توحید میں چار چاند لگاتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

مُردوں کو زندہ کیا، زندوں کو مرنے نہ دیا
اِس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

یہی نہیں بلکہ اِس پورے گروہ کی نظر میں گنگوہی صاحب کی شان اتنی بُلند ہے کہ یوسف علیہ السلام جیسے تو موصوف کے کالے کلوٹے غلام بھی تھے، دریں حالات موصوف کے گورے چٹے بندوں کے حسن و جمال کا اندازہ کون کر سکتا ہے ؟ چنانچہ مولوی محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں :۔

قبولیت اِسے کہتے ہیں، مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبیدِ سُود کا اِن کے لقب ہے یوسفِ ثانی

اگر کوئی پوچھ بیٹھتا کہ جب گنگوہی صاحب آپ حضرات کی نظر میں دیگر انبیائے کرام سے بھی برتر ہیں تو کیا آپ اُنہیں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر جانتے ہیں ؟ وہابی شیخ الہند صاحب اِس کا یوں اثبات میں جواب دیتے ہیں :۔

زباں پر اہلِ اہوا ہے کیوں اُعلُ ہبل شاہد
اُٹھا عالم سے کوئی بانیٔ اسلام کا ثانی!

جس طرح سیّد المرسلین، خاتم النبیین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی جلوہ گری سے جملہ گذشتہ ادیان منسوخ ہوگئے تھے اور جو آپ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ ہدایت کا طلبگار ہو تو اُس کا دینے بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح ماڈرن توحید والوں نے اپنے گنگوہی صاحب کو معلوم نہیں کون سے قرآن کی نص سے یہی مقام عنایت کیا ہوُا ہے :۔

ہدایت جس نے ڈھونڈی دوسری جا، ہوگیا گمراہ
وہ میزابِ ہدایت تھے کہیں کیا نصِ قرآنی

نبی آخرالزمان صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو باری تعالیٰ شانہٗ نے نورِ مجسم بنایا۔ مسلمانوں کا شروع سے یہی عقیدہ چلا آرہا ہے۔ لیکن ماڈرن توحید والوں کی نظر میں ایسا عقیدہ رکھنا خلافِ اسلام ہے مگر گنگوہی صاحب کے لئے علی الاعلان کہا گیا :۔

چھپائے جامۂ فانوس کیوں کر شمعِ روشن کو
تھی اُس نورِ مجسم کے کفن میں وہی عریانی

مسلمان اگر بارگاہِ عالم پناہ صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے مدد کے طلب گار ہوں تو ماڈرن توحید والوں کی نظر میں ٹھیٹ مشرک اور حقیقی کافر ٹھہرتے ہیں کیوں کہ اُن کے نزدیک قبلۂ حاجات تو گنگوہی صاحب ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

حوائج دین و دُنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وُہ قبلۂ حاجاتِ روحانی و جسمانی

قبلۂ حاجاتِ جسمانی ہونا بھی غور طلب مسئلہ ہے ——— بہر حال ماڈرن توحید والوں کا حضورِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تو غیر متزلزل عقیدہ یہ ہے :۔ ——— "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ لیکن گنگوہی صاحب کا قضا و قدر پر قبضہ مانا جارہا ہے :۔

نہ رُکا پر نہ رُکا پر نہ رکا پر نہ رکا!

اُن کا جو حکم تھا، تھا سیفِ قضائے مبرم

شعر کی فصاحت و بلاغت سے قطع نظر اگر کوئی اِن حضرات سے پوچھنے لگے کہ اے صاحبانِ جبہ و دستار! جب آپ مولوی رشید احمد گنگوہی کو قبلۂ حاجات اور سیفِ قضائے مبرم بتاتے ہیں اور دوسری جانب یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ تو صرف خُدا کی صفات ہیں تو گیا گنگوہی صاحب آپ کے نزدیک منصبِ اُلوہیت پر فائز ہیں؟ جواب ملاحظہ ہو:۔

خُدا اُن کا مربّی، وہ مربّی تھے خلائق کے

مرے مولیٰ، مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

یعنی باری تعالیٰ تو صرف گنگوہی صاحب کا مربّی ہے اُسے ربُ العالمین سمجھنا غلط ہے۔ ساری کائنات کے مربّی اور پالن ہار تو صرف گنگوہی صاحب ہیں۔ یہ سُن کر شاید کسی نے کہہ دیا ہوگا کہ حضرت! یہ تو آپ نے گنگوہی صاحب کو خُدا ہی ٹھہرا دیا۔ اِس سوال کا جواب اِس شعر میں دیا جاتا ہے:۔

تمہاری تربتِ انور کو دے کر طُور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار اَرِنیْ، مری دیکھی بھی نادانی

گویا ماڈرن توحید والوں کے نزدیک گنگوہی صاحب کی قبر کوہِ طور، گنگوہی صاحب ان کے پروردگار اور مولوی محمود الحسن صاحب خود اپنے وقت کے موسیٰ بن کر پکار رہے ہیں:۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ اور موصوف کا بھولا پن تو دیکھئے، فرماتے ہیں: مری دیکھی بھی نادانی

ع اِس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خُدا

دیکھئے آپ نے ماڈرن توحید کے کرشمے، چشم زدن میں گنگوہی صاحب کو کتنے مدارج طے کروا لئے:۔

۱۔ ابومسعود انصاری ۲۔ شبلی ۳۔ جنید ۴۔ قطبِ ربانی ۵۔ غوثِ اعظم ۶۔ فاروقِ اعظم ۷۔ صدیق اکبر ۸۔ مسیحائے زماں ۹۔ ایسا مسیحا کہ مردوں کو زندہ کرے اور زندوں کو مرنے نہ دے ۱۰۔ ماہِ کنعانی یوسف علیہ السلام ۱۱۔ جس کے سیاہ فام بندے

بھی یوسفِ ثانی ۱۲۔ نورِ مجسم ۱۳۔ بانیٔ اسلام کا ثانی ۱۴۔ قضا و قدر کا مالک ۱۵۔ قبلہٴ حاجات ۱۶۔ جس کی قبر کوہِ طور ۱۷۔ مربیٔ خلائق ۱۸۔ خود پروردگار

فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ نے تو اپنے شعر میں حضورِ انور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انہیں اوصاف سے متصف کیا جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں یعنی ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَ الْبَاطِنُ۔ اور ان پر ماہر القادری صاحب بھنّا رہے ہیں، لیکن موصوف کو مذکورہ اٹھارہ مدارج نظر نہ آئے جو محمود الحسن صاحب نے اپنے پیر جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی ذات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہیں اِن سے توحیدِ خالص تو غبار آلود نہیں ہوئی ؟ نہ جانے ماہر صاحب کی یہ کونسی توحید ہے۔

اعلیٰحضرت کے مذکورہ شعر پر ماہر صاحب نے مذہبی انداز میں اعتراض کیا تھا اسلئے اُسی انداز میں الزامی جواب دیا گیا ورنہ موضوعِ سخن فنی اعتراضات کا جواب دینا ہے، لہٰذا یہ چند اشعار پیش کرنے کافی سمجھے گئے ورنہ اِن کی لنکا سے تو جو بھی نکلا وہی ساڑھے باون گز کا

ماہر القادری صاحب یہ بھی لکھتے ہیں :۔

"مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا نعتیہ کلام کوئی شک نہیں کہ بڑی شاعرانہ دلکشی رکھتا ہے۔ مگر صاحبِ موصوف وسیع المشاغل، کثیر التصانیف تھے۔ محسنؔ کاکوروی کی طرح اُنہیں شاعری پر کما حقہٗ توجہ دینے کا موقع نہ مِل سکا۔ اِس لئے اُن کی غزلوں میں شگفتگی و روانی کے ساتھ جھول بھی رہ گیا ہے۔"

موصوف فاضلِ بریلوی کے کلام میں دلکشی، شگفتگی اور روانی بھی تسلیم کر رہے ہیں لیکن جذبۂ دل سے مجبور ہو کر جھول بھی بتا رہے ہیں۔ یہ تو اُس بھینگے کی مثال ہے جس کو ہمیشہ ایک چیز دو نظر آتی ہیں۔ رہی یہ بات کہ آپ کو محسنؔ کاکوروی کی طرح توجہ دینے کا موقعہ نہ مِل سکا۔ تو اس سلسلے میں ہم جماعت اسلامی ہی کے عماید تعامی صاحب کے لفظوں میں کچھ عرض کر دینا چاہتے ہیں، اُنہوں نے لکھا ہے :۔

"محسنؔ کاکوروی مرحوم نے جب معراج پر اپنا قصیدہ :۔

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

لکھا تو اُسے سُنانے کے لیے بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے پاس گئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سُننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سُنا جائے۔ عصر کی نماز سے قبل مولانا نے خود یہ قصیدہ معراجیہ تصنیف فرمایا نمازِ عصر کے بعد جب یہ دونوں بزرگ اکٹھے ہوئے تو مولانا نے محسن مرحوم سے فرمایا کہ پہلے میرا قصیدہ معراجیہ سُن لو۔ محسنؔ کاکوروی نے جب مولانا کا قصیدہ سُنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا، مولانا! آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سُنا سکتا۔" [1]

مذکورہ اشعار کے اِس قصیدے میں محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کو تو کہیں جھول نظر آنا چاہیئے تھا، یا کلام سُن کر یہ مشورہ دیتے کہ حضرت! آپ بھی میری طرح کلام پر توجہ دیجئے، فلاں فلاں کمزوری اور جھول آپ کے کلام میں موجود ہے۔ ماہر القادری صاحب کے جھول کی حقیقت تو ظاہر کی جا چکی، یہ محض موصوف کی کم نظری اور کوتاہ بینی ہے اور اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو معاندینِ تنقید کے نام سے کرتے آرہے ہیں۔ ماہر صاحب نے بھی نعتیہ شاعری پر تنقید کے بہانے گلشنِ نعت گوئی کے اِس گُلِ سرسبد کی لازوال شہرت کو داغدار کرنے کی سعئ لاحاصل کی ہے، لیکن یاد رہے:-

ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

---

[1] ماہنامہ عرفات، لاہور، بابت اپریل ۱۹۷۰ء : ص ۱۶

تأثرات

فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت ہو یا قصیدہ، قطعہ ہو یا رباعی، ابتداء سے انتہا تک کانِ سخن بلکہ جانِ سخن ہے۔ زبان کی سلاست، بیان کی نفاست و ندرت، فصاحت و بلاغت، محبوبِ خدا کی شایانِ شان تشبیہات، صنائع و بدائع کا جائز مصرف، مضامین کی دلکشی و رنگینی، شاعرانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ ادب و احترام محبوب کا اتنا بلند معیار کسی اور نعت گو شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا۔ آپ کا کلام ایک ایسی تلوار ہے جس پر عشقِ رسولؐ کی وہ سان چڑھی ہوئی ہے کہ رُوح کی گہرائی تک اُتر جاتی ہے۔ اعلحضرت کی شاعرانہ عظمت کے بارے میں چند غیر جانبدار ناقدین کے تأثرات قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں :۔

(۱)

جناب نیاز فتح پوری

سب سے پہلے فنِ تنقید کے اُس ماہر سرخیل کے تاثرات پیش کئے جاتے ہیں، جن کا قلم کلام کو پرکھنے کی کسوٹی تھا۔ جنہوں نے تنقید کے معاملے میں کسی سے رعایت نہیں برتی۔ کھرا کھوٹا جو کچھ ہوتا سامنے رکھ دیتے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرتے، چنانچہ جناب نیاز فتح پوری مدیر نگار فرماتے ہیں :۔

> "میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے اُن کے کلام سے پہلا تأثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کے بے پناہ وابستگی رسولِ عربی کا ہے۔ اُن کے کلام سے اُن کے بیکراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعوےٰ اُن کے کلام کی خصوصیات سے

ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں۔" ل

(۲)

کوثر نیازی

مودودی صاحب کے سابق دستِ راست، ملک کے نامور نقّاد اور ادیب و شاعر جناب کوثر نیازی صاحب کے اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں تاثرات ملاحظہ ہوں:۔

"بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا خاں بریلوی اُس کا نام تھا۔ اُن سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو، عقیدوں میں اختلاف ہو، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ عشقِ رسول اُن کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔" ۲ے

(۳)

افتخار اعظمی

جماعت اسلامی کے افتخار اعظمی صاحب نے اعلیٰحضرت کی نعتیہ شاعری کے بارے میں کہا ہے :۔

لے ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت، کراچی، بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۷۵ء : ص ۲۸

ماہنامہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ : ص ۷

۲ے ارمغانِ نعت : ص ۲۹

"احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین اور متبحر عالم تھے۔ وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اس لیے اُن کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی، حالانکہ اُن کا کلام اس پائے کا ہے کہ انہیں طبقۂ اُولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیئے۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اُن کے یہاں تکلّف اور تصنّع بالکل نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ چونکہ رسولِ پاک سے انہیں بے پناہ محبت ہے اس لیے اُن کا نعتیہ کلام شدّتِ احساس کے ساتھ خلوصِ جذبات کا آئینہ دار ہے۔" [1]

(۴)

عابدؔ نظامی

کلامِ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ سے متعلق جماعتِ اسلامی کے مشہور کارکن جناب عابدؔ نظامی نے اپنا اور اپنے دوستوں کا ایک دلچسپ مکالمہ سپردِ قلم کیا ہے جس سے کلامِ رضا کے بارے میں اُن کے تاثرات کا پتہ لگتا ہے۔ وہ تاثرات جناب عابدؔ نظامی کے قلم سے ہی ملاحظہ فرمایئے:۔

"غالباً ۱۹۵۹ء کے نصف آخر کا ذکر ہے کہ مجھے مُلتان میں یومِ حسین کی ایک تقریب میں شرکت کے لیے وہاں جانا پڑا۔ یوم حسین کا یہ جلسہ ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا اور اُس میں شرکت کے لیے بڑے بڑے اہلِ علم تشریف لائے۔ شرکائے جلسہ کو مختلف جگہوں پر ٹھہرایا گیا۔ میں، مولانا ماہر القادری، مولانا محمد جعفر ندوی پھلواری اور کوثر نیازی چاروں مولانا محمد باقر خاں امیر جماعت اسلامی مُلتان کی کوٹھی میں ٹھہرے۔ رات کو سونے سے قبل یہ

---

[1] ماہنامہ عرفات، لاہور، بابت اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۱۲

دلچسپ مذاکرہ چھڑ گیا کہ اُردو کا سب سے بڑا نعت گو شاعر کون ہے۔ اُردو کے بڑے بڑے شاعروں کے اشعار مقابلہ کے لیے پیش ہونے لگے۔ کافی دیر تک یہ مباحثہ جاری رہا۔ بالآخر اِس بات پر سب متفق ہو گئے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے اچھے نعتیہ اشعار زیادہ تعداد میں اُردو کے کسی شاعر نے نہیں کہے۔ مَیں اُس وقت تک مولانا کے نام سے تو ضرور واقف تھا مگر کلام سے واقف نہ تھا۔ بعد میں اُن کا مجموعۂ کلام حدائقِ بخشش پڑھا تو اِس بات کی تصدیق ہو گئی۔" [1]

چھوٹی بحروں میں شعر گوئی پر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی استادانہ قدرت و مہارت تسلیم کرتے ہوئے عابد نظامی صاحب یوں مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہیں:-

"مولانا نے بعض نعتیں چھوٹی بحروں میں بھی لکھی ہیں۔ چھوٹی بحروں میں لکھنا بڑا مشکل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن مولانا نے چھوٹی بحروں میں لکھ کر جو بڑی بڑی باتیں کہی ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔ اُردو کی پوری شاعری میں غالباً خواجہ میر دردؔ کے علاوہ اِس معاملہ میں کوئی اُن کا مدِّمقابل نہیں۔" [2]

قصیدہ معراجیہ پر موصوف نے اپنے تاثرات کا اظہار اِن لفظوں میں کیا ہے:-

"معراج پر لکھی ہوئی یہ بے مثل نظم سر سٹھ اشعار پر مشتمل ہے اور اِس قابل ہے کہ آبِ زر سے لکھی جائے۔" [3]

اعلیٰحضرت کے لکھے ہوئے مشہور سلام :- "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" پر موصوف نے یُوں تبصرہ کیا ہے:-

"بلاشبہ یہ سلام سلاست، روانی، تسلسل، شاعرانہ حُسن کاری اور والہانہ پن کی وجہ سے اُردو ادب کا سب سے اچھا سلام ہے۔" [4]

---

[1] ماہنامہ عرفات، لاہور، بابت اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۱۳
[2] ایضاً، ص ۱۷ [3] ایضاً: ص ۱۵ [4] ایضاً ص: ۲۰

یہ اعلیٰحضرت کے خلوصِ جذبات، صداقتِ عشق اور اندازِ فکر کی انفرادیت و پاکیزگی کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد کے اساتذہ نعت بھی آپ کے کلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور نعت گوئی میں آپ کا تتبع کر کے آپ کے نمائندہ شاعر کہلائے۔ عابد نظامی صاحب نے اس سلسلے میں یوں وضاحت کی ہے :۔

گذشتہ صدی سے برِ صغیر پاک و ہند کی کوئی ایسی روحانی محفل نہ ہوگی جس میں مولانا احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی کا کلام فردوسِ گوش نہ بنا ہو۔ مولانا نے نعت گوئی میں ایک نئے مکتبِ فکر کی بنیاد ڈالی، جس کی چھاپ آج بیسیوں مشاہیر کے کلام میں نظر آتی ہے۔ مولانا حسن بریلوی، طالب بریلوی، شفیق جونپوری، حمید صدیقی، بہزاد لکھنوی اور ضیاء القادری بدایونی وغیرہ ہم نعت گو شعراء کو ہم رضا سکول کے نمائندہ شعراء میں شمار کر سکتے ہیں ــــــ سچ یہ ہے کہ مولانا کے نعتیہ نغمات سے برِ صغیر کی فضا گونج اٹھی ہے اور کیوں نہ ہو کہ :۔

ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

اور ہاں مولانا سے متاثر ہونے والوں میں سے ایک اہم نام رہ گیا، وہ ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا نامِ نامی۔ علامہ نے شروع میں جو نعتیں لکھی ہیں اُن میں مولانا کی نعتوں کا اثر صاف جھلکتا ہے۔" [1]

جناب عابد نظامی نے علامہ اقبال کی ابتدائی نعتوں کو اعلیٰحضرت کے رنگ میں بتایا ہے، غالباً موصوف نے کلامِ اقبال کا غائر نظر سے مطالعہ نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ کے پورے کلام میں رنگِ رضا یعنی عشقِ رسول صاف نمایاں ہے۔ علامہ کے کلام کی جان یہی عشق ہے، جسے انہوں نے خودی کا نام دے کر رکھا ہے۔ جہاں وہ خودی کی بات کرتے ہیں اُس سے مراد یہی عشقِ مصطفیٰ ہے۔ مثلاً کہا ہے :۔

---

[1] ماہنامہ عرفات، لاہور، بابت اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۱۶، ۱۷

خُودی کا سرِ نہاں لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ
خُودی ہے تیغ فساں لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ

اقبال کی یہ تیغِ خودی حقیقت میں عشقِ حبیب ہے جس پر لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کی سان چڑھی ہوئی ہے :۔

(۵)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

پاک و ہند کے مشہور نقاد، ادیب، اہلِ قلم اور استاذ الاساتذہ، جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ صاحب، صدر شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد، سندھ کے تأثرات ملاحظہ ہوں :۔

"اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دَور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، طباعی و درّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ و محققین مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے ـــــ مختصر یہ کہ وُہ کون سا علم ہے جو انہیں آتا تھا اور وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے؟ شعر و ادب میں بھی اُن کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اگر صرف محاورات، مصطلحات ضرب الامثال اور بیان و بدیع سے تمام الفاظ اُن کی جملہ تصانیف سے یکجا کر لئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے ـــــ اعلیٰحضرت چونکہ عالم متبحر اور فاضلِ کامل و مکمل تھے اِس لئے اُنکی شاعری میں بکثرت قرآنی آیات کے حوالے آتے ہیں ـــــ قرآن آیات کی طرح احادیث مبارکہ بھی بہت آتی ہیں ـــــ اعلیٰحضرت نے تلمیحات بھی بہت استعمال کی ہیں ـــــ اعلیٰحضرت کے شعری محاسن میں زبان و

بیان کی بکثرت خصوصیات ہیں ــــــــ پورے مجموعۂ کلام میں تجنیسِ مماثل، تجنیسِ مستوی، تجنیس زائد وغیرہ کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں کہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ الفاظ کی تکرار سے بات میں بات پیدا کر دیتے ہیں۔" [1]

(۶)

پروفیسر طاہر تونسوی

گورنمنٹ کالج، لاہور کے شعبۂ اُردو کے اُستاد، جناب طاہر تونسوی صاحب نے فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ کلام کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار بایں الفاظ کیا ہے:۔

"حالی کے بعد سے جدید نعت گوئی کا دَور شروع ہوتا ہے اور اس میں بیش بہا اضافے ہوئے، لب ولہجہ کے اعتبار سے بھی اور آہنگ کے لحاظ سے بھی نئے نویلے اور متنوع انداز میں شاعروں نے عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں اور عشقِ رسول کی ایسی بہار دکھائی دیتی ہے جو خزاں نا آشنا ہے ــــــــ حضرت رضا بریلوی کا نام نعت گوئی کے سلسلے کی اہم کڑی ہے اُنھوں نے نعت کو وہ وُسعت عطا کی ہے کہ نعتیہ شاعری اور وُہ لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔ انہوں نے سادہ مگر پُرکارانہ الفاظ میں اپنے خیالات کو ڈھالا ہے کہ وجدان عش عش کرتے لگتا ہے کیف و مستی کا ایسا منظر نامہ تخلیق کیا ہے کہ فکر و نظر کی وارداتیں اور سرمستی کی کیفیات تڑپتی دکھائی دیتی ہیں۔ ندرتِ بیان کے لحاظ سے اُنھوں نے ایسی نعتیں لکھی ہیں کہ اظہار کی لذّت اور فکر کی پاکیزگی نے رنگ و نکہت کا ایسا ایک آمیزہ تیار کیا ہے جس کا ذائقہ آنکھوں سے ہی چکھا جا سکتا ہے اور وُہ اپنی نعتوں کے حوالے سے ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔" [2]

---

[1] روزنامۂ جنگ، ۱۲ر فروری ۱۹۷۷ء بعنوان مولانا احمد رضا خاں کی اُردو شاعری

[2] روزنامہ امروز، لاہور، ۸ر مئی ۱۹۷۷ء

(۷)

کالیداس گپتا رضاؔ

بھارت کے مشہور شاعر، ادیب اور اہلِ قلم، جناب کالیداس گپتا رضاؔ نے فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کے نعتیہ کلام کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار جن لفظوں میں کیا ہے، وہ مسلمانانِ اہلسنت وجماعت اور خصوصاً اعلیٰحضرت کے متعلقین ومتوسلین کے لیے درسِ عبرت بھی ہیں۔ خود ہم نے کلامِ رضاؔ کی آج تک کس حد تک قدر کی ہے؟ حدائقِ بخشش پر ہم نے کتنا کام کیا ہے؟ بہرحال موصوف کے تأثرات ملاحظہ ہوں:۔

"تقریباً ربع صدی کے افریقہ کے قیام کے بعد مجھے ہندوستان پلٹے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے اِس لیے جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے نام اور کام سے بھی میری واقفیت چند ہی دنوں کی ہے۔ تاہم جب میرے ایک دوست اور عزیز اشتیاق احمد خاں اور وی نے مجھے مولانا کی دو چھوٹی کتابیں موسومہ حدائقِ بخشش (حصّہ اوّل وحصّہ دوم) برائے مطالعہ عنایت کیں تو معلوم ہوا کہ اسلامی دُنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر اُن کی شاعری بھی اس درجہ کی ہے کہ انہیں انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر مقام دیا جائے۔

مولانا موصوف کے سلام اور نعتیں کبھی کبھار سننے میں آجاتے ہیں مگر وہ صرف مذہبی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ باہری حلقوں میں ادبی لحاظ سے نہ اُن کو پرکھا جاتا ہے نہ اُن سے کسی قسم کا ادبی اور شعری حظ اٹھایا جاتا ہے۔ میری شاعری کی عمر بھی ۲۵ سال سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے اور میرے ذاتی کتب خانے میں شعر وشاعری کے متعلق تاریخی، ادبی، علمی کتابوں اور قدیم وجدید شعراء کے دیوان کا قابلِ لحاظ اور نادر ذخیرہ موجود

ہے جو تقریباً تمام و کمال میری نظر سے گزر چکا ہے مگر مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حدائقِ بخشش کے اِن دو نہایت معمولی لکھائی چھپائی والے مجموعوں کے علاوہ مولانا کے ہزارہا اشعار میں سے ایک حرف بھی میرے ہاں موجود نہیں ہے اور مذکورہ بالا دو مجموعوں کا حال یہ ہے کہ کتابت کی غلطیوں نے بہت سے اشعار کو بے معنی اور وزن سے ساقط کر کے رکھ دیا ہے۔" [1]

موصوف نے اعلحضرت کی شاعرانہ عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے، اُن سے بے اعتنائی برتنے کی ستم ظریفی کا بھی کھُل کر اظہار کر دیا ہے۔ چنانچہ وُہ رقمطراز ہیں:۔

بیشک حسن رضا بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے تاہم حیرت ہے کہ اِس ضخیم تذکرے (خمخانۂ جاوید) میں اُن کے بڑے بھائی، عالمِ اہلسنّت اور نعت گوئی میں اُن کے اُستاد جناب احمد رضا خاں کے تذکرے نے جگہ نہ پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خطا اُس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیرِ اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اِس طرح عوام نے انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں۔ تاہم نعتیں اور سلام ہی سہی، ذرا غور و فکر کے بعد اُن کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل و دماغ پر مستط کر دیتے ہیں جو محض ایک سخنور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اُترتا تو کسی استادِ وقت سے پیچھے نہ رہتا۔ نہیں معلوم انہوں نے کسی سے باقاعدہ اصلاح لی تھی کہ نہیں، تاہم اُن کے کلام سے اُن کے کامل صاحبِ فن اور مسلّم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور اُن کی سے نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے، کہیں خیال گوئی، عاشقانہ رنگ کا جو تغزل کی جان ہے یہ رتبہ ہے کہ اگر نعت کے مخصوص

---

[1] ماہنامہ المیزان، بمبئی، امام احمد رضا نمبر، بابت اپریل مئی جون ۱۹۷۶ء، ص ۴۳

رنگ کے اشعار الگ کر دیئے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے ۔"[1]

موصوف نے اعلیٰحضرت کی شانِ تغزل اور مختلف اصنافِ سخن میں قادر الکلامی کو یوں سراہا ہے :-

"اب ہم مولانا کے چند ایسے نعتیہ اشعار پیش کریں گے جو اساتذہ غزل کی شان کے ہیں ۔ اُن میں چستی و بندش ، زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کے وہ وہ نمونے ملیں گے کہ لمحہ بھر کے لیے بھولنا پڑے گا کہ یہ اشعار نعتوں کے ہیں .... مولانا کسی صنفِ سخن میں بند نہیں ۔ انہوں نے جگہ جگہ صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے ۔ رباعی بھی نہایت پختہ کہتے ہیں اس مختصر مقالے میں ان سب کی گنجائش نہیں ، صرف چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں تاکہ کہے کا پاس رہے ۔"[2]

---

[1] ماہنامہ المیزان ، بمبئی ، امام احمد رضا نمبر : ص ۴۰۷ [2] ایضاً ، ص ۴۱۷

اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ نے نعت گو شعراء میں جو بلند مقام پایا تبحر علمی کے ساتھ ساتھ عشقِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہے۔ آپ کے ایک ایک شعر میں عشقِ مصطفیٰ سے تپیدہ دِل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ یہ اُسی عشق کی توجہ اور کرم فرمائی ہے کسی دنیاوی اُستاد کی نہیں۔ آپ نے شاعری میں کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ آپ تلمیذ الرحمٰن تھے۔ خود فرماتے ہیں :۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

آپ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تتبع کر کے اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر فنِ نعت گوئی کے امام اور تاجدارِ سخن کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ خود وضاحت کی ہے :۔

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدم حضرت حسان بس ہے

اگر ایک جانب آپ دُنیائے اسلام میں مجدد کی مسند پر جلوہ افروز ہیں اور علمائے عرب و عجم کی گردنیں آپ کے آستانے پر خم ہیں تو دوسری طرف مُلکِ شعر و سخن کی امامت و شہنشاہی کا تاج زیبِ سر ہے، جہاں دیگر اساتذہ کے ساتھ علامہ اقبال جیسا ایشیا کا عظیم مفکر و شاعر بھی آپ کے دربارِ شعر و سخن میں شامل اور حلقۂ درسِ عشقِ رسول میں شریک نظر آتا ہے لہٰذا کہنا پڑتا ہے :۔

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین وبارک وسلم

اختر الحامدی ایوب کاوری
لطیف آباد نمبر ۲ حیدرآباد (سندھ)

ذکرِ فردوس منزل

۹۷ ھ ۱۳

(از حضرت بلبلِ باغِ مدینہ، مولانا قمر یزدانی، پنوانہ ضلع سیالکوٹ)

عظیم المرتبت اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ والغفران کا قلب مبارک خالق و مخلوق کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق کا ایک بحرِ بیکراں تھا۔ آپ کا عشقِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں ڈوبا ہوا پُر خلوص اور بے نظیر کلام، بلاغت نظام حقائق و معارف کا حسین مرقع، جدتِ تمثیل، ندرتِ تخیل اور شاعرانہ قدرت و مہارت کے علاوہ ہر شعر آیات و احادیثِ مقدسہ، نرم و نازک تشبیہات و پاکیزہ استعارات سے بھرپور ہے۔ گویا موصوف محترم کا رہوارِ قلم نعت کے میدان میں پوری روانی کے ساتھ سرپٹ دوڑتا نظر آتا ہے اور وہ الشعراء تلامیذ الرحمٰن کے صحیح مصداق ہیں۔ اِس لحاظ سے اگر آپ کو امامِ نعت گویاں بھی کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

چمنستانِ عشقِ رسالت کی عندلیبِ شیریں مقال، شاعرِ خوش خیال، حسانِ پاکستان حضرت علامہ اختر الحامدی مدظلہ العالی نے ممدوحِ گرامی قدر امام احمد رضا فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ سے اربابِ دانش کو متعارف کرانے کے لیے قلم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کی شبانہ روز پُر خلوص کاوش کو مشکور و منظور فرما کر نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنائے۔ آمین، ثم آمین۔ اِس ضمن میں اِس تصنیفِ لطیف سے متعلق ارتجالاً ایک قطعۂ تاریخ اور چند تاریخی مادے نذرِ قارئین ہیں امید ہے کہ مقبولِ قلب و نظر ہوں گے۔

قمر یزدانی

پنوانہ، ضلع سیالکوٹ

۱۴ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ

قطعاتِ تاریخ

①

قطعۂ تاریخِ طباعت

(از رئیس التحریر حضرت مولانا اختر شاہجہانپوری مجددی مظہری، مدظلہ العالی لاہور)

ہیں امامِ نعت گویاں سیدی احمد رضا
اِس حقیقت کو نمایاں خوب اختر نے کیا

کیوں نہ ہو، آخر ضیاءُ القادری کی ہو ضیا
اور خدا کے فضل سے ہو عاشقِ احمد رضا

حجۃ الاسلام کی ہے آپ پر نظرِ کرم
دولتِ بیدار رضویت سے حصہ مل گیا

ہے بیاں تیرا مدلل، پیارا پیارا، دلنشیں
جو عقیدت اور محبت کے ہے سانچے میں ڈھلا

تیرے لفظوں میں سرایت کر گئی ہے چاندنی
کہکشاں کی ڈھل گئی ہر ایک فقرے میں ضیا

یاالٰہی گلشنِ اختر پھلا پھولا رہے!
اس سے بھی وافر میسر ہو ہمیں فیضِ رضا

آرہی ہے یہ بریلی سے نسیمِ جاں فروز
اہلِ ایماں کے دماغوں کو معطر کر دیا

عاشقِ کامل تھے وہ اور بلبلِ باغِ رسول
اُن کے نغموں کی خصوصیات سے پردہ اُٹھا

اُس کی تربت پر برستے ہی رہیں رحمت کے پھول
دولتِ ایماں سے جس نے دلوں کو بھر دیا

کاٹ ڈالو آج بھی گر دیوبندی بیل کو
جانفزا تاریخ نکلے عاشقِ احمد رضا = ۱۳۹۷ھ

رکھ ہی لیں گے لاج تیری بلبلِ باغِ رسول (۱۲۸)
وہ شفیع المذنبیں، حضرت محمد مصطفیٰ (۱۵۲۵) = ۱۳۹۷ھ

میں نے ہاتف نے کہا کر یہ کہی تاریخ ہے (۱۳۶۳)
مردِ حُر تھے اور مجدد سیدی احمد رضا (۱۱۸۹) = ۱۳۹۷ھ

مظہری اختر نہ کیوں نازاں ہو اس تاریخ پر (۲۰۸)
حامدی اختر ہوئے فخرِ دبستاں مرحبا
۱۳۹۷ھ

(۲)

قطعۂ تاریخ ترتیب و طباعت

(از رئیس التحریر حضرت مولانا اختر شاہجہان پوری، مجددی، مظہری مدظلہ العالی، لاہور)

جوش میں آگیا بحرِ فیضِ رضا! — ذکرِ احمد رضا عام ہونے لگا

نعت گوئی میں یاں اُس کا ثانی نہیں — جس کا اسمِ گرامی ہے احمد رضا

اِس حقیقت کو واضح کیا آپ نے — اخترِ الحامدی مرحبا، مرحبا

یُوں دلائل سے ہے یہ سجایا بیاں — جس سے ہر معترض سر جھکانے لگا

چھا گئی مُلکِ ایمان میں چاندنی — پھر تو تہب کی دُنیا میں ماتم ہُوا

اِس پہ شاہد ہے تاریخِ ہندوستاں — دودھ سے کس نے پانی علیحدہ کیا

دینِ برحق کا اِس دَور میں پاسباں! — تھا وہ احمد رضا، عاشقِ مصطفیٰ

اُس کی تحریر میں نُورِ ایمان ہے — جامِ حُبِّ نبیؐ وہ پلاتا رہا

ذکر اُن کا کیا حسنِ ترتیب سے! — یہ تصرّف، ہے احمد رضا شاہ کا (۱۳ ۴ ۹۶)

دیوبندی طلب کو مٹاتے چلو (۱۲۷) — رنگ لاتا رہے عشقِ احمد رضا (۱۳۲۴ -) ۱۳۹۷ھ

موم کر کے ملانا ہے اغیار کو

ثم اختر کرو خوب، فیضِ رضا (۱۲۹۱ +)

۱۳۹۷ھ

(۳)

قطعۂ تاریخ طباعت

(از حضرت فیض لدھیانوی صاحب، لاہور)

نعت گوئی کے امامِ عالی! ہیں رضا خاں ابد تک، دیکھو
ذکرِ محبوبِ خدا رحمت ہے اس حقیقت میں نہیں شک، دیکھو

کتنی اونچی ہے یہ ہجری تاریخ
وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ، دیکھو
۱۳ ۔ ۹۷

(۲)

قطعۂ تاریخِ طباعت

(از بلبلِ مدینہ باغ، مولانا قمر یزدانی، پنوانہ ضلع سیالکوٹ)

قبولِ عام ہو تالیفِ حضرتِ اختر لکھی جو شاہِ رضا کی ہے نعت گوئی پر
ہیں نعت گروں کے بیشک امام شاہ رضا کلام آپ کا مینارِ نورِ فن ہے قمر

دلیل قول کی میرے اب اور کیا ہوگی
ہے سالِ طبع بھی، "مدحت سرائے پیغمبر"
۱۹ ، ۷۷

مادہ ہائے تاریخ

تذکارِ عبد
۱۳ ۔ ۹۷

عارفِ نیکو سرشت
۱۳ ۔ ۹۷

عارفِ ستودہ صفات
۱۳ ۔ ۹۷

(۵)

تاریخ ترتیب وتسوید

(از مولانا ابوالمحامد احمد میاں حافظ البرکاتی، حیدرآباد، سندھ)

ہیں جو نعت گوؤں کے بیشک امام
جہاں سر ہے خم فن کے ہر شاہ کا
کلام الامام ، امام الکلام !!
ہے دراصل اُس مردِ ذی جاہ کا
نہ کس طرح رخشندہ تابندہ ہو
کہ تارا ہے اختر اُسی ماہ کا
کلامِ رضا پر مقالہ لکھا
کہ جو کام دے مشعلِ راہ کا
حقیقت میں حافظ یہ پیاری کتاب
تعارف ہے احمد رضا شاہ کا
۱۳۹۶ ھ

(۶)

قطعہ تاریخ طباعت

(از حضرت مولانا مقبول الوری صاحب ناظم نشر و اشاعت بزم شعر و ادب لطیف آباد)
حیدرآباد سندھ

مجدد اِس صدی کے حضرتِ احمد رضا خاں ہیں
فدائے شاہِ دیں مداحِ سلطانِ رسولاں ہیں

تُلے ہیں نعتیہ اشعار میزانِ شریعت میں
یہ ہیں شرحِ حدیثِ مصطفےٰ تفسیر قرآں ہیں

دلِ بیتاب کی ہیں دھڑکنیں پوشیدہ لفظوں میں
کہ اشعارِ حسیں آئینۂ جذباتِ حساں ہیں

امیرؔ و حافظؔ و محسنؔ بھی گو اُستاد ہیں لیکن
شہِ احمد رضا خاں قادری اِن میں نمایاں ہیں

یہ ثابت کر دیا مقبولؔ اختر نے دلائل سے
امامِ اہلسنّت ہی امامِ نعت گویاں ہیں

۹۷ ھ ۱۳

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ جملہ ضروریاتِ دین اور روزمرہ کے مسائل پر
ایک جامع اور آسان کتاب

قانونِ شریعت

(مکمل دو حصے)

تصنیف: فقیہ اجل حضرت مولانا شمس الدین احمد رضوی
سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (انڈیا)

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے

حصہ اول میں عقائد، نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی و عقیقہ تک کے جملہ مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

حصہ دوم میں حج، نکاح، طلاق، خرید و فروخت، حظر و اباحت وغیرہ کے تمام مسائل شامل ہیں۔

تمام مسائل فقہ حنفی کے مطابق آسان اور عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

مکتبہ فریدیہ

اپنے روایتی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے دیدہ زیب طباعت، مضبوط اور خوبصورت جلد کے ساتھ عنقریب پیش کر رہا ہے ——— صفحات ۷۵۰

مکتبہ فریدیہ کی مطبوعات

کتاب	روپے	پیسے
قہر خداوندی	۹	۰۰
طمانچہ برلب دھاکر	۴	۵۰
الصوارم الہندیہ	۷	۵۰
آئینۂ حق	۷	۵۰
الشاہ احمد رضا	۷	۵۰
ہند کے راجہ	۴	۰۰
الحق المبین	۳	۵۰
التبشیر مع تنویر برد التحذیر	۵	۰۰
کتاب التراویح	۲	۰۰
تکفیری افسانہ	۳	۰۰
محمد رسول اللہ قرآن میں	۳	۰۰
منکرین رسالت کے مختلف گروہ	۲	۵۰
برق آسمانی	۷	۵۰
میلاد النبی	۳	۰۰
زلزلہ	۷	۵۰
الغراب الخبیث (دہلی کوّے کا شرعی حکم)	۱	۰۰

قابل مطالعہ علمی کتب

کتاب	روپے	پیسے
تفسیر نعیمی اول	۳۶	۰۰
" دوم	۳۶	۰۰
شواہد النبوت	۱۸	۰۰
مدارج النبوت مکمل	۸۱	۰۰
احکام شریعت مکمل	۱۰	۵۰
خصائص کبریٰ	۳۳	۰۰
تاریخ الخلفاء	۳۳	۰۰
نزہۃ المجالس	۶۰	۰۰
جواہر البحار	۲۷	۰۰
بارہ تقریریں	۱۵	۰۰
دین مصطفےٰ	۲۱	۰۰
تذکرہ اکابر اہلسنت	۳۰	۰۰
مکتوبات امام ربانی مکمل	۷۲	۰۰
شرح الصدور	۱۵	۰
منہاج العابدین	۱۵	۰۰
ہمارا اسلام	۱۱	۲۵
مقیاس وہابیت	۲۲	۰۰
جاء الحق مکمل	۳۳	۰۰
تاریخ مشائخ چشت	۳۳	۰۰
جذب القلوب	۱۵	۰۰
اخبار الاخیار	۲۴	۰۰
حدائق بخشش کا تحقیقی اور ادبی جائزہ	۳۶	۰۰
شان حبیب الرحمٰن	۹	۰۰
ذکر جمیل	۱۲	۰۰
الذکر الحسین	۶	۰۰
خاک کربلا	۱۵	۰۰
مخزن اخلاق	۲۱	۰۰
باغی ہندوستان	۱۳	۵۰
الفاروق	۱۵	۰۰
علم القرآن	۱۲	۰۰
کیمیائے سعادت	۳۶	۰۰
شہید ابن شہید	۱۸	۰۰
سنت خیر الانام	۹	۰۰
تاریخ وہابیہ	۱۵	۰۰
کرشمۃ الخیرات	۱۶	۵۰
اوراق غم	۱۸	۰۰

مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال

دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت مجدد دین وملت، حامی سنت، ماحی بدعت، عشق رسول
کے گنج گراں مایہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی ہمہ جہت ذات ستودہ
صفات فضل مولیٰ سے محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے دینی امور میں توحید و رسالت،
ولایت، تقدیر و تدبیر، قبر و حشر، نشر، روزہ، حج، زکوۃ، بدعات و منکرات کے ردّ وغیرہ
ہر امر میں لکھا۔ اللہ و رسول کی بارگاہ کے گستاخوں، بدمذہبوں کا ردّ و ابطال فرمایا،
شرعی گرفت کی اور صاف و شفاف اسلامی نظریہ، اسلامی مسلک بنام مسلک اہل سنت
پیش فرمایا۔ جو فی الحقیقت صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، تابعین، تبع تابعین، ائمہ
مجتہدین، اولیا کرام و علما سلف کا مذہب و مسلک ہے یعنی اصل اسلام۔

(ڈاکٹر غلام غوث قادری)



رضا اکیڈمی لاہور